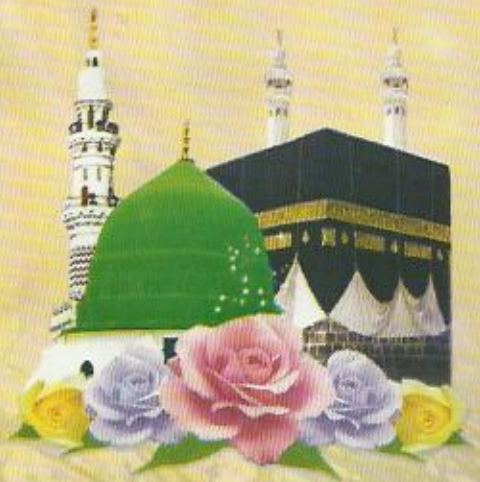


بفضلی یا رسول اللہ علیک الصلوٰۃ والسلام

علمی ادبی اور تحقیقی مجلہ

النظامیہ

لاہور

اپریل 2011ء

☆.....ملعون پادری آخری حد بھی پار کر گیا مگر.....؟ (اداریہ)

☆.....تعلیم حکمت (باب الحدیث)

☆.....قانونِ قصاص انسانیت کی بقا کا ضامن ہے

☆.....گستاخ رسول واجب القتل ہے

☆.....اسقاطِ حمل جائز ہے یا ناجائز؟

☆.....اسلام بمقابلہ عیسائیت

☆.....شادی بیاہ کے موقع پر غیر شرعی رسومات

☆.....دارالافتاء.....

ایصالِ ثواب کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف کرنا کیسا ہے؟

جامعہ نظامیہ رضویہ

لاہور 042-37665030 شیخوپورہ 056-3786428

حکمت اللہ 12/6/2011

اَعِنِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

الزظامیہ

لاہور شیخوپورہ

علمی، ادبی، تحقیقی مجلّہ

بفیضانِ نظر
محسنِ اہلسنت، استاذ الاساتذہ، مفتی اعظم پاکستان
شیخ العلماء
مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ نظامیہ رضویہ

اپریل 2011ء

جلد نمبر 11 شمارہ نمبر 4

مدیر اعلیٰ
ابوالحسان
محمد طاہر تبسم قادری
0300-9439464

مدیر اعزازی
محمد اکرام اللہ بٹ
0300-6212350

معاون مدیر
ابوالضیا
محمد رمضان سیالوی
0321-8429060

ناظم اشاعت
حافظ صاحبزادہ
نصیر احمد ہزاروی
0300-9415300

زیر سرپرستی
جانشین مفتی اعظم پاکستان صاحبزادہ
علامہ
محمد عبدالمصطفیٰ اہزاروی
ناظم اعلیٰ
جامعہ نظامیہ رضویہ

سرکولیشن منیجر
صاحبزادہ
غلام مرتضیٰ ہزاروی
0300-4270963

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرِ سالانہ ختم ہو چکا ہے

ممبر شپ فیس
پاکستان سالانہ بذریعہ ڈاک
250 روپے

قیمت فی شمارہ 20 روپے

رابطہ کے لئے
دفتر مجلّہ الزظامیہ
جامعہ نظامیہ رضویہ
لوہاری گیٹ لاہور
042-7665030

نوٹ: ادارہ "مجلّہ الزظامیہ" کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

مقام اشاعت
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور
042-7657314

حسنِ ترتیب

عنوان	صفحہ
حمد باری تعالیٰ	
اقبال عظیم	۳
نعت رسول مقبول ﷺ	
علامہ اقبال علیہ الرحمۃ	۴
ملعون پادری آخری حد بھی پار کر گیا مگر.....؟ (اداریہ)	
مولانا محمد طاہر تبسم القادری	۵
باب الحدیث (تعلیم حکمت)	
شیخ الحدیث علامہ مفتی محمد صدیق ہزاروی	۷
قانونِ قصاص انسانیت کی بقا کا ضامن ہے	
مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰
گستاخ رسول واجب القتل ہے	
شیخ الحدیث پیر ابوالنصر باباجی منظور احمد شاہ	۲۳
اسقاطِ حمل جائز ہے یا ناجائز؟	
شیخ الحدیث مفتی محمد اشرف القادری	۲۸
اسلام بمقابلہ عیسائیت	
علامہ سعید محمد عامر آسوی حسینی نقشبندی	۳۱
شادی بیاہ کے موقع پر غیر شرعی رسومات	
ڈاکٹر فوزیہ فیاض	۴۰
آپ کے دینی مسائل اور اُن کا حل	
ابوالضیا مفتی محمد رمضان سیالوی	۴۶

حمدِ باری تعالیٰ عزوجل

(جناب اقبال عظیم صاحب)

نام میں تیرا عقیدت سے لیے جاتا ہوں
ہر قدم پر تجھے سجدے بھی کیے جاتا ہوں
کوئی دنیا میں میرا مونس و غمخوار نہیں
تیری رحمت کے سہارے جیئے جاتا ہوں
آزمائش کا محل ہو کہ مسرت کا مقام
سجدۂ شکر بہر حال کیے جاتا ہوں
زندگی نام ہے اللہ پر مر مٹنے کا
یہ سبق سارے زمانے کو دیئے جاتے ہیں ج
صبر کرنا ہے تیری شان کریمی کو عزیز
میں یہی سوچ کے آنسو بھی پیئے جاتا ہوں
ہر گھڑی اس کی رضا پیش نظر ہے اقبالؔ
شکر ہے، ایک سلیقے سے جیئے جاتا ہوں

☆☆.....☆☆☆.....☆☆☆

نعت رسول مقبول ﷺ

(علامہ اقبال علیہ الرحمۃ)

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب!
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!

عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب!

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب!

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب!

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقلِ غیاب و جستجو عشقِ حضور و اضطراب

☆☆☆.....☆☆☆.....☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ مدیر اعلیٰ کے قلم سے

ملعون پادری آخری حد بھی پار کر گیا مگر.....؟

ملعون امریکی پادری ٹیری جونز کے بالآخر اُمت مسلمہ کی بے حسی اور امریکی حکومت کی مجرمانہ غفلت سے شہ پاکر قرآن پاک کو نذرِ آتش کرنے کی ناپاک جسارت کر ڈالی۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس سے بڑی کاروائی یا اُن کے عقائد پر اس سے بڑا حملہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ یہ آخری حد تھی جسے جنونی پادری نے کراس کیا۔ مگر حیف صد حیف! حسبِ روایت اس بار بھی عالم اسلام کی طرف سے وہ ردِّ عمل سامنے نہ آیا جو آنا چاہیے تھا، مسلم حکمران یوں بے حمیت و بے غیرت بن کر خاموش ہیں (الا ماشاء اللہ) جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ او۔ آئی۔ سی کے مردہ گھوڑے کے جسم میں ذرہ برابر جھری بھی نہیں آئی۔ خادم الحرمین الشریفین بڑے فخر سے کہلوانے والوں کے کان پر بھی جوں تک نہیں رینگی۔ حالانکہ سعودی حکومت کو فوراً مکۃ المکرمہ میں اسلامی سربراہی کانفرنس بلا کر اس معاملے کا سخت نوٹس لینا چاہیے تھا، تمام مسلم ممالک امریکی سفیروں کو نکال دیتے اور معلون پادری کی حوالگی یا پھانسی تک سفارتی تعلقات منقطع کر دیتے۔ مگر

"ایں خیال است و محال و جنون"

جنہیں اقتدار کے ساتھ ساتھ اپنی جان کے لالے پڑے ہوں، جو اپنی کرسیاں بچانے کے لئے امریکہ کی طرف دیکھتے ہوں، جو امریکہ یا اس کے زیر اثر چلنے والے مالیاتی اداروں کی امداد کے سہارے زندہ ہوں اُن سے غیرت دینی یا حمیت اسلامی کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔ اگر اس نام کی کوئی شے ان کے اندر ہوتی تو جب پہلی مرتبہ اس معلون نے قرآن پاک کو حدف تنقید بنایا تھا اور اسے جلانے کی بات کی تھی اسی

وقت انہیں اس کا بندوبست کرنا چاہیے تھا، اگر اس وقت سخت ردّ عمل دکھایا جاتا اور امریکی حکومت کو اسے لگام دینے پر مجبور کیا جاتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتے ۔وطن عزیز کے حکمرانوں اور اشرافیہ کے بارے میں تو یہ محاورہ صادق آتا ہے ''اُونٹ رے اُونٹ تیری کون سی کل سیدھی'' پاکستانی حکومت کے شاہکار اور صدر پاکستان کی نایاب دریافت وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک کی منطق یاد رقطنی ملاحظہ فرمایئے آپ فرماتے ہیں کہ ''ٹیری جونز القاعدہ اور طالبان کا ایجنٹ ہے'' اسے کہتے ہیں ''شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار'' اس پر صرف یہی تبصرہ کیا جاسکتا ہے۔شرم تم کو مگر آتی نہیں۔

اب تو عامۃ المسلمین میں یہ احساس شدت سے پیدا ہورہا ہے کہ اگر خدانخواستہ دشمنانِ اسلام روضۂ رسول ﷺ یا کعبۃ اللہ پر حملہ کردیں تو اُمت کی کشتی کے یہ نام نہاد ناخدا عین بیچ بھنور کے اُسے چھوڑ کر فرار ہوجائیں گے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

لیکن اے فرزندانِ اسلام، اے غلامانِ رسولِ عربی ﷺ آزمائش کی گھڑی ہے صبر وہمت سے کام لو، استقامت کا مظاہرہ کرو، خوابِ غفلت سے بیدار ہوجاؤ، اپنے خدا اور پیارے مصطفیٰ پہ یقین رکھو، ہمارا خدا کمزور نہیں ہے صرف ہماری صفوں میں ایجنٹ گھس گئے ہیں۔اٹھو اور نکال دو اپنی صفوں سے سامراج کے ان کرداروں کو، اغیار کے وفاداروں کو، اُمت کے غداروں کو، اور بن جاؤ مصداق:

خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمی

پھر ان شاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت ہمارے شامل حال ضرور ہوگی۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

☆☆☆.....☆☆☆.....☆☆☆

باب الحدیث

تعلیم حکمت

شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی

عن ابن عباس (رضی اللّٰہ عنہما) قال قال رسول اللہ ﷺ نعمة العطية ونعمة الهدية كلمة حكمة تسمعها فتنطوي عليها ثم تحملها الى اخ لك مسلم تعلمه اياها تعدل عبادة سنة ۔(طبرانی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کیا ہی اچھا تحفہ ہے اور کیا ہی اچھا ہدیہ ہے حکمت کی بات جسے تم نے سنا اور یاد کرلیا پھر اسے اپنے مسلمان بھائی تک پہنچایا اور اسے سکھایا یہ (عمل) ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

اسلام میں علم کی بہت زیادہ اہمیت ہے کیونکہ اسی سے خالق ومالک کی پہچان حاصل ہوتی ہے اور اسی سے اپنی ذات اور مخلوق خدا سے متعلق حقوق کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔گویا جو شخص علم کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پہچان رکھتا ہے اور یہی پہچان ان حقوق کی ادائیگی کا راستہ دکھاتی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے درجات کی بلندی کا ذکر فرمایا جو دولت ایمان کے بعد علم کے نور سے اپنے سینوں کو منور کرتے ہیں۔ارشاد خداوندی ہے:

یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات۔(المجادلة: ۱۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور اہل علم کے درجات کو بلند کرتا ہے۔

علم ہی انبیاء کرام کی میراث ہے حدیث شریف میں ہے کہ انبیاء کرام درہم اور دینار بطور وراثت نہیں چھوڑتے بلکہ وہ علم کی میراث چھوڑتے ہیں۔اگرچہ علم اور عالم کی فضیلت میں متعدد آیات اور بے شمار احادیث مبارکہ مروی ہیں لیکن ایک عالم کے لئے اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوسکتی ہے کہ وہ انبیاء کرام کا وارث قرار پاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کلمۂ حکمت یعنی علم اور دانائی کی بات بہترین عطیہ اور نہایت عمدہ تحفہ ہے دوسری حدیث میں اسے مؤمن کی گمشدہ میراث قرار دیا آپ نے فرمایا:

الكلمة الحكمة ضالة الحكيم فحيث وجدها فهو احق بها ۔(مشکوۃ المصابیح ص ۳۴)

ترجمہ: کلمۂ حکمت، حکیم یعنی دانا آدمی کا گمشدہ مال ہے وہ اسے جہاں بھی پائے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

محدثین کرام فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی ایسا شخص حکمت بھری گفتگو اور علمی بات کرتا ہے جو اس کا اہل نہیں ہوتا پھر وہ اس کے اہل تک پہنچتی ہے تو اس کا اصل حق دار وہی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے علمی کلام کو سن کر یاد رکھنے اور پھر دوسروں تک پہنچانے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص اسے سن کر یاد رکھتا ہے، پھر اپنے مسلمان بھائی تک پہنچاتا ہے، اسے تعلیم دیتا ہے تو اس کا یہ عمل ایک سال کی عبادت کے برابر ہے۔ گویا علم سے متعلق تین باتوں کا حکم دیا گیا۔ پہلی بات علم حاصل کرنا، دوسری بات اسے یاد رکھنا اور تیسری بات اسے دوسروں تک پہنچانا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے ایسے شخص کو قابل رشک قرار دیا جس کو علم کی دولت ملتی ہے اور وہ اس کے ساتھ فیصلہ کرتا اور دوسروں کو سکھاتا ہے آپ نے فرمایا:

لاحسد الا فی اثنین رجل اتاہ اللّٰہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق
ورجل اتاہ اللہ الحکمۃ فھو یقضی بھا ویعلمھا۔

ترجمہ: دو آدمی قابل رشک ہیں ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ مال عطا فرما کر اسے راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق دیتا ہے اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ علم دین عطا کرتا ہے وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا اور اسے دوسروں تک پہنچاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے تعلیم و تعلم کو نفلی عبادت سے بہتر قرار دیا کیونکہ فرض عبادت تو ہر شخص پر لازم ہے گویا جو شخص فرض عبادت کے بعد اپنا وقت علم حاصل کرنے اسے یاد رکھنے اور دوسروں تک پہنچانے میں خرچ کرتا ہے وہ نفلی عبادت کرنے والے سے افضل ہے کیونکہ محض عبادت گزار علم نہ ہونے کی وجہ سے بھٹک سکتا ہے لیکن صاحب علم فرائض، واجبات اسی طرح حلال و حرام سے آگاہ ہوتا ہے۔ اور اگر وہ معلم ہو تو اس کے علم کا نفع دوسروں تک بھی پہنچتا ہے اور وہ عبادت گزار نہیں ہوتا دوسروں کو بھی عبادت کی راہ دکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کرام نے جہاں لوگوں کی روحانی اصلاح کا فریضہ انجام دیا وہاں ان تک علم بھی پہنچایا وہ ایک طرف مرشد کا کردار ادا کرتے تھے تو دوسری طرف ایک معلم کی شکل میں بھی نظر آتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی سعادت ہے اور قرب خداوندی کا ذریعہ ہے لیکن جب رسول اکرم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لاتے ہیں اور ایک جماعت کو ذکر میں اور دوسرے گروہ کو تعلیم و تعلم

میں دیکھتے ہیں تو دونوں کی تحسین فرماتے ہیں لیکن اس کے بعد اپنے عمل سے علمی مجلس کو ترجیح دیتے ہوئے اس گروہ کے ساتھ تشریف فرما ہو جاتے ہیں۔ اس لئے دینی مدارس کا وجود اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے جہاں ہر وقت قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں بلند ہوتی ہیں اور ان اداروں سے فیض یافتہ لوگ امت مسلمہ کو علم کی دولت سے مالا مال کر کے حق و باطل کے درمیان امتیاز، حلال و حرام کے درمیان تمیز، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پہچان کراتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ ویتدارسون بینھم الا نزلت علیھم السکینۃ وغشیتھم الرحمۃ وحفتھم الملائکۃ وذکرھم اللہ فیمن عندہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص:۳۳)

ترجمہ: جب کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے اور اس کے درس و تدریس میں مشغول ہوتے ہیں تو ان پر سکون نازل ہوتا ہے رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور رحمت کے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان فرشتوں میں ان کا تذکرہ کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں۔

اس لئے اگر علم کی دنیا سے وابستہ افراد دنیوی مال و متاع کی اس فراوانی سے محروم بھی ہوں جو دیگر لوگوں کو حاصل ہوتی ہے تو انہیں اس بات کی مسرت ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس قسم کے اعزازات عطا فرماتا ہے اور ان کی عظمت کے لئے یہی بات کافی ہے۔ امت مسلمہ کا فرض ہے کہ جہالت کی تاریکیوں کو دور کرنے کے لئے علم کی شمع روشن کریں اور ایسا علم جو اللہ تعالیٰ کی پہچان کرادے، اور مخلوق کے ساتھ بھلائی کی راہ دکھائے حاصل کرنے کے لئے تمام اسباب کو بروئے کار لائیں تاکہ ایک صالح معاشرہ کا قیام عمل میں آئے اور ظلم و ستم کا خاتمہ ہو کر عدل و انصاف کا بول بالا ہو اور بے حیائی اور فحاشی کے کلچر کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا جائے۔

☆☆☆.....☆☆☆.....☆☆☆

قانونِ قصاص

انسانیت کی بقا کا ضامن ہے

تحریر: مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

قصاص، لغت میں مماثلت اور مساوات کو کہتے ہیں (۱)۔

اصطلاح شرع میں، قصاص کا معنی، عمداً قتل یا قطع اعضاء کے بدلے میں امکانی حد تک مساوات کو برقرار رکھتے ہوئے، مجرم کے ساتھ وہی کارروائی کرنا جو اس نے کی ہو (۲)۔

یہ کارروائی اگر جان کے بدلے ہو تو اس کو قصاص بالنفس کہتے ہیں۔ اس میں ہر جان مساوی جان ہے۔ کیونکہ حر، عبد، مرد، عورت، بچہ اور بوڑھا سب جانیں مساوی ہیں (۳)۔

اگر یہ کارروائی قطع اعضاء کے بدلے ہو تو اس کو قصاص مادون النفس کہتے ہیں اس میں مساوات کے لیے زخم یا قطع کی کیفیت اور کمیت کا بھی اعتبار ہوگا (۴)۔

انسانیت کی تاریخ کو قتل ناحق کا مسئلہ درپیش رہا ہے۔ کیونکہ یہ ایک فطری امر ہے کہ بسا اوقات انسان کسی ناپسندیدہ امر پر غضب میں حد اعتدال سے بڑھ جاتا ہے اور غیظ و غضب کی حالت میں اس کا آگ والا عنصر بھڑک اٹھتا ہے جس کی بناء پر اپنے ہوش و حواس پر کنٹرول نہ کرتے ہوئے مخالف کو قتل کر دیتا ہے۔ اس حقیقت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں بیان فرمایا:

ان الغضب جمرۃ فی قلب ابن آدم اما رایتم الی حمرۃ عینیہ و انتفاخ اوداجہ۔ (۵)

یعنی غصہ انسان کے دل میں آگ کا چنگاڑا ہے تم اس کی آنکھوں کی سرخی اور گلے کی رگوں کا پھولنا کیا نہیں دیکھتے۔

یہ امر واضح ہے کہ آگ کا شعلہ جب بے قابو ہوتا ہے تو پھر ماحول کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ یہ اس طرح کہ قتل کے جواب میں مقتول کے اولیاء بھی جب اپنے جذبات کی تسکین کی خاطر یہی کارروائی کرتے ہوئے حد سے تجاوز کر جاتے ہیں تو پھر فریقین اپنی اپنی عصبیت میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیتے ہیں جس کی لپیٹ میں پورا معاشرہ آجاتا ہے اور اس کا امن و سکون ختم ہو کر رہ جاتا

ہے۔ اس مضمون کو قرآن نے یوں بیان فرمایا ہے:

من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا۔ (۶)

یعنی جس نے بغیر استحقاق کسی کو قتل کر دیا گویا اس نے پورے معاشرے کو قتل کر دیا۔

کیونکہ معاشرہ افراد کے مجموعہ کا نام ہے جبکہ انسانی افراد اپنے طبعی اور فطری تمدن کی بناء پر ایک دوسرے کے کام آتے ہیں اور آپس میں تعاون کرتے ہیں۔ لہٰذا جس نے معاشرہ کے ایک فرد کو قتل کیا تو اس نے گویا ایک جز کو کاٹ کر معاشرہ کو ناقص کر دیا۔ اس طرح قاتل پورے معاشرہ کا مجرم اور پورا معاشرہ مقتول کا ولی قرار پاتا ہے (۷)۔ جب کہ فطری طور پر کوئی بھی اپنے قاتل کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے ساتھ برداشت نہیں کر سکتا اس لیے قاتل کے معاشرتی وجود کو ختم کرنا معاشرے کا فطری حق بن جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں معاشرہ اپنے افراد کے تحفظ میں کوشاں رہا اور ناحق قتل کو روکنے کی تدابیر اختیار کرتا رہا۔ چنانچہ ماقبل اسلام دور جاہلیت میں معاشرہ نے اپنی تدبیر سے کبھی قاتل کے لیے مالی سزا تجویز کی اور تاوان کا قانون وضع کیا (۸) مگر اس قانون نے مالدار فریق کو جہاں قتل کی جرأت دی وہاں اس نے تاوان وصول کرنے والے فریق کو بھی قتل کی گنجائش دی۔ کبھی قتل کی سزا، یہ مقرر ہوئی کہ قاتل خاندان کی مستورات مقتول کی ورثاء کے سپرد کر دی جائیں (۹) تاکہ وہ اپنے انتقامی جذبات کو قاتل کی بجائے اس کی مستورات پر سرد کرے۔ مگر اس قانون کا نتیجہ یہ نکلا کہ قاتل فریق اپنی مستورات پر تشدد دیکھ کر مزید مشتعل ہوا اور دوبارہ قتل کا راستہ اختیار کیا۔ یا مستورات حاصل کر لینے کے باوجود مقتول کے ورثاء نے جب قاتل کو دیکھا تو مشتعل ہو کر قاتل کو قتل کر دیا۔ یوں دوبارہ قتل کا راستہ چل نکلا، کبھی معاشرہ نے قتل ناحق کو روکنے کے لیے قاتل کو بالکل معاف کر دینے کا قانون بنایا تاکہ قاتل شرم کر کے آئندہ قتل سے باز رہے اور اصلاح پذیر ہو جائے (۱۰)۔ اس قانون کی بناء پر قاتل شرمائے یا نہ شرمائے مگر اس میں مقتول کے ورثاء کے جذبات ضرور مشتعل ہوں گے جب قاتل کو وہ زندہ دیکھیں گے تو مشتعل ہو کر اس کو قتل کریں گے خصوصاً جب معافی حاصل ہو جانے کا احساس موجود ہو۔

دور جاہلیت میں قتل ناحق کی سدباب کے لیے جو قانون مشہور اور مسلمہ قرار دیا جاتا تھا وہ جوابی قتل کا قانون تھا۔ چنانچہ ان کے ہاں۔

القتل اقل للاقل، القتل النفی للقتل، قتل البعض احیاء للجمیع۔

محاورے اور مقولے مشہور تھے (۱۱) جن کا معنی ہے:

قتل کا سدّ باب قتل سے ہوتا ہے اور بعض کا قتل باقی لوگوں کی بقاء ہے۔

مگر اس قانون میں جوابی قتل کا کوئی معیار مقررہ نہ ہونے کی بناء پر جوابی کارروائی حد سے تجاوز کر جاتی اور ظلم و تعدّی کا راستہ کھل جاتا جس کے جواب میں دوسرا فریق پھر جوابی کارروئی کا حق محفوظ رکھتا اس طرح یہ سلسلہ دونوں فریق عمر بھر جاری رکھتے چنانچہ یہود کا قبیلہ بنی نضیر بمقابلہ بنی قریظہ اسی طرح نصاری کا قبیلہ بنی خزرج بمقابلہ اوس۔ صدیوں تک ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے۔ کیونکہ ان مقابلوں میں ایک فریق طاقتور اور دوسرا کمزور تھا جس کی وجہ سے طاقتور فریق قتلِ بدل میں کمزور فریق کے ساتھ زیادتی کرتا کہ اپنے ایک کے بدلے کمزور فریق کے دو یا عورت کے مقابلہ میں مرد، غلام کے مقابلہ میں آزاد کو قتل کرتا اور کمزور فریق کو عکس یعنی ان کے دو کے مقابلہ میں ایک مرد، مرد کے مقابلہ میں عورت اور آزاد کے مقابلہ میں غلام پر مجبور کرتے۔ نتیجتاً کمزور فریق اس ظلم کے ازالہ کے لیے کوشاں رہتا اور جوابی کارروائی کرتا۔ یوں یہ سلسلہ ہر دو فریق میں پشت در پشت جاری رہا۔ (۱۴)

جبکہ زمانہ جاہلیت کی طرح موجودہ دور میں بھی معاشرتی طور پر مذکورہ بالا قوانین کے علاوہ بعض نے پھانسی کی سزا نافذ کر رکھی ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ احتیاط بھی لازم کی ہے یہ پھانسی پردے میں ہوتا کہ لوگوں میں وحشت پیدا نہ ہو اور بعض نے پھانسی کے اس طریقہ کو بھی وحشی قرار دیتے ہوئے اس کو ختم کر دیا اور اس کی بجائے قید کو قتل کی سزا مقرر کیا ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ قاتل کی موت سے مقتول زندہ نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے ورثاء کو کوئی فائدہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا قاتل کو قصاص میں قتل کرنے یا موت کی سزا دینے میں قوم کے مزید ایک فرد کو ضائع کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ جب کہ ہو سکتا ہے کہ بعد میں یہ شخص قوم کے کام آئے۔

اس کے علاوہ موجودہ دور میں قتل و غارت کو روکنے کے لیے نفسیاتی اقدامات بھی نافذ کیے جاتے ہیں مثلاً بازاروں اور محلوں میں مسلح دستے مقرر کیے جاتے ہیں یا عوام کو مسلح کرنے کے لیے اسلحہ لائسنس اور اسلحہ ڈپو عام کر دیئے جاتے ہیں تاکہ عوام اپنا دفاع خود کریں اور قاتل اسلحہ سے ڈر کر قتل کے اقدام سے باز رہے۔ مگر ان تمام تدابیر کے باوجود قتل و غارت کا بازار گرم ہے اور روزانہ سینکڑوں ناحق قتل ہو رہے ہیں۔

غرضیکہ انسان کے وضع کردہ تمام قوانین قتل کو روکنے میں غیر موثر ثابت ہوئے ہیں بلکہ یہ قوانین فریقین میں مزید اشتعال پیدا کرنے کا باعث بنے جس کی وجہ سے قتل و غارت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ان قوانین کی ناکامی اس لیے ہوئی کہ یہ قوانین انسانی فطرت اور اس کے طبعی تقاضوں سے موافقت نہیں رکھتے کیونکہ ان قوانین کے وضع کرنے والے انسانی فطرت اور اس کی مشنری سے ناواقف حضرات تھے۔

جبکہ کوئی ایسا قانون مؤثر نہیں ہو سکتا جس میں انسانی فطرت اور اس کے طبعی تقاضوں کو پیش نظر نہ رکھا گیا ہو (۱۵)۔ چنانچہ قتل ناحق کے سدباب کے لیے تمام انسانی قوانین میں یہی کمزوری ہے جو مشترکہ ہے۔ غیر شرعی سزاؤں کی کمزوری کی بناء پر مجرم ان غیر فطری سزاؤں سے بچنے کے لیے حیلے تلاش کر لیتے ہیں کیونکہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کا توڑ کوئی بھی انسان کر سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قانون بنانے والے انسان تمام امکانات کا احاطہ نہیں کر سکتے جبکہ مجرم نئی سے نئی تکنیک کے پیش نظر انسانی قانون میں رخنہ پیدا کر لیتا ہے لیکن فطرت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ شرعی قوانین چونکہ فطری اور طبعی ہیں لہٰذا ان میں رخنہ نہیں پیدا کیا جا سکتا۔

اس حقیقت کے پیش نظر قاتل اور مقتول کے ورثاء کے فطری احساسات کا اگر جائزہ لیا جائے تو واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں جس احساس کا شکار ہیں وہ احساس انتقام ہے۔ مقتول کے ورثاء میں انتقام لینے کا احساس ہے جبکہ قاتل کو انتقام سے بچنے کا احساس ہے۔ دونوں کا یہ احساس فطری ہے اور دونوں فریق اس میں طبعی طور پر مبتلا ہیں۔

تیسرا فریق جو انتقام سے لاتعلق ہے وہ خواہ کتنا ہی موثر اور سزا دینے میں بااختیار ہو، قاتل کو اس سے خوف ہے نہ ڈر ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ فوری انتقام سے بچنے کے لیے قاتل بسا اوقات سزا دینے والے تیسرے فریق کی تحویل میں اپنے آپ کو دے دیتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ تیسرے فریق سے سزا یافتہ ہونے کے باوجود وہ یا اس کا خاندان، مقتول کے ورثاء کے جوشِ انتقام سے خوف زدہ رہتا ہے۔ اسی طرح مقتول کے ورثاء کو بھی تیسرے غیر متعلق فریق کی کسی کارروائی سے اطمینان نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کا جوشِ انتقام سرد ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تیسرے فریق کی طرف سے قاتل کو موت کی سزا مل جانے کے باوجود یہ لوگ قاتل کے خاندان والوں کو قتل کرنے کے درپے رہتے ہیں اور قاتل فریق بھی ان کے جوشِ انتقام سے خوف زدہ رہتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قاتل اور مقتول دونوں فریقوں میں احساس انتقام وہ بنیادی امر ہے جس کا

علاج، قیام امن کے لیے ضروری ہے ورنہ اس کے ازالہ کے بغیر سخت سزا بھی فریقین کو فساد سے نہیں روک سکتی۔ لہٰذا آئندہ قتل و غارت کو روکنے کے لیے قاتل فریق کا خوف اور مقتول فریق کا جوش ختم کرنا ضروری ہے۔

تو اس کے خاتمہ کا فطری طریقہ یہ ہے کہ جوش انتقام کو ختم کرنے کے لیے سزا کا حق مقتول کے ورثاء کو دے کر قاتل کو ان کے اختیار میں دے دیا جائے تاکہ قاتل اور اس کے خاندان کی بے بسی مقتول کے ورثاء کے سامنے واضح ہو جائے۔ اس موقعہ پر فطری طور پر دو ہی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں کہ مقتول کے ورثاء شدت جذبات اور جوشِ انتقام کی بناء پر قاتل کو قتل کرنے کا فیصلہ کریں گے یا وہ مخالف فریق کو اپنے سامنے بے بس اور شرمسار پا کر تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے جوش کو رحم و کرم میں بدل دیں گے کیونکہ مخالف کو باخلوص شرمسار اور بے بس پا کر انسان فطری طور پر عفو اور درگزر کا مظاہرہ بھی کرتا ہے (۱۶)۔ کیونکہ جوش کا یہی مطلوب تھا جو حاصل ہو گیا جبکہ حصولِ مطلوب پر سکون اور ٹھہراؤ فطری امر ہے۔ اس لیے ایسے موقعہ پر انتقام پورا کر لینے یا معافی دے دینے کے دونوں احتمال موجود ہوتے ہیں۔

انتقامی جوش اور خوف کو ختم کرنے کے اس فطری طریقہ میں دونوں فریقوں کا نہ صرف احساس انتقام ختم ہو گا بلکہ قاتل کی جان بچ جانے کا احتمال بھی موجود ہے۔

لیکن اس ہیجانی کیفیت میں قاتل کو اولیاءِ مقتول کے سامنے پیش ہونے میں خوف مانع ہے اور دوسری طرف قاتل کے پیش ہو جانے پر اولیاءِ مقتول کے صبر و اعتدال کے لیے ان کا جوش مانع ہے۔

تو اس کے لیے ایک تیسرے فریق کی خدمات درکار ہیں جو انتقام سے لاتعلق اور اولوالامر ہو تاکہ وہ قاتل کو پیش کرنے اور اولیاء مقتول کو اعتدال پر رکھنے کا انتظام کرے اور خیال رکھے کہ بدلے کی عملی کارروائی میں مماثلت اور مساوات کے خلاف کوئی کام نہ ہو، حادثہ قتل سے متعلق دونوں فریقوں کے فطری جذبات اور ان کے فطری علاج، کے معیار کو پیش نظر رکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ انسانوں کے وضع کردہ تمام قوانین غیر معیاری ہیں کیونکہ ان سب میں یہ کمزوری مشترک ہے کہ ان میں فریقین کے احساسِ انتقام کا پاس نہیں رکھا گیا بلکہ سزا کا حق ایک تیسرے فریق کو دے دیا گیا ہے جو جذبہ انتقام سے لاتعلق ہونے کی بناء پر قاتل کو سزا دینے میں خارجی دباؤ یا لالچ کا شکار ہو سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس سے قاتل کو ڈر ہے اور نہ ہی اولیاءِ مقتول کو اطمینان ہے۔ اس لیے ان قوانین کے تحت قاتل کو موت کی سزا دے دی جائے تو بھی اس سے قاتل کی جان رائیگاں جانے کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا کیونکہ ابھی تک اس فتنہ کی بنیاد احساسِ انتقام باقی ہے جس کی وجہ سے دونوں فریق ایک دوسرے کے تعاقب میں مصروف اور قتل و غارت کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔

جبکہ اسلام نے انسانی قوانین کے مقابلہ میں جو قانون پیش کیا ہے وہ نہ صرف مؤثر ہے بلکہ اس میں بھی دیگر اسلامی قوانین کی طرح معاشرتی ضرورت اور انسانی فطرت کو ملحوظ رکھا گیا ہے (۱۷)۔ جس کی بناء پر حادثہ قتل سے متعلق دونوں فریق مطمئن ہو جاتے ہیں اور آئندہ کے لیے معاشرہ میں فتنہ و فساد کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے۔ یہ طبعی اور فطری قانون قصاص ہے۔

یاایھام الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی۔(۱۸)

ترجمہ اے ایمان والو تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے۔

قانونِ قصاص:

یہ ہے کہ حکومت ثبوتِ قتل کے بعد قاتل کو اولیاءِ مقتول کے سامنے پیش کر کے ان سے مجرم کو قتل یا معاف کرنے کا فیصلہ حاصل کرے۔ اگر اولیاءِ مقتول مجرم کو قتل کرنے کا فیصلہ دیں تو پھر حاکم اس کو قتل کرنے کا ایسا انتظام کرے کہ قتل کی یہ کارروائی قاتل کی کارروائی کے مساوی ہو اور کوئی تعدی اور زیادتی نہ ہو اور اگر اولیاءِ مقتول معاف کرنے کا فیصلہ دیں تو جس شرط پر معافی دی گئی ہو اس شرط کو پورا کرنے کا اہتمام کرے۔

قصاص کی معنوی خصوصیات:

قصاص کا معنی یہ ہے کہ اولیاءِ مقتول کے کہنے پر، مقتول جان کے بدلے قاتل کی جان، کے ساتھ وہی کارروائی کرنا جو اس نے کی ہو، یوں قصاص کے معنوی اجزاء تین ہیں جن کو قرآن نے علیحدہ علیحدہ بیان کر کے ان کو عدل کی بنیاد قرار دیا ہے۔ قصاص کے معنی کی پہلی جز اولیاءِ مقتول کا فیصلہ ہے۔

معنی کی اس جزء کو قرآن نے دوسری آیت میں واضح فرمایا

من قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا ۔ (۱۹)

یعنی جو شخص ظلماً قتل کیا گیا ہو تو قاتل کے بارے فیصلہ اولیاءِ مقتول کے اختیار میں ہے۔

قصاص کی دوسری جز مقتول جان کے بدلے قاتل کی جان، اس جز کو قرآن نے یوں بیان فرمایا:

النفس بالنفس۔(۲۰)

دونوں پر الف لام، لاکر پہلے نفس سے قاتل اور دوسرے نفس سے مقتول کی طرف اشارہ فرمایا۔یعنی مقتول کی جان کے بدلے قاتل ہی کی جان لی جائے گی۔

اسی مفہوم کو دوسرے الفاظ میں بیان فرمایا کہ:

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ماعتدی علیکم۔ (۲۱)

یعنی جس نے تم پر زیادتی کی ہے تم اسی سے اتنا بدلہ لو۔

قصاص کی تیسری جز وہی کارروائی کرنا جو اس (قاتل) نے کی ہو۔اس کو واضح فرماتے ہوئے ایک مقام پر فرمایا:

ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ۔ (۲۲)

یعنی تم پر جتنی زیادتی ہوئی تم اسی کی مثل کارروائی کرو۔اس معنی کی دوسری آیت میں یوں فرمایا:

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ماعتدی علیکم ۔

یعنی جس نے جتنی زیادتی کی تم اس کے خلاف اتنی ہی کارروائی کرو۔

ان تین اجزاء کے تحقق سے جہاں قصاص کا مفہوم مکمل ہوا وہاں عدل کا معنی بھی کامل ہوگیا۔

یوں قاتل اور مقتول فریقین کے فطری جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے قانون قصاص اور اس کی معنوی خصوصیات نے اصل مرض یعنی احساسِ انتقام کا علاج کردیا۔

ایک طرف اولیاءِ مقتول کے پرجوش انتقامی جذبہ کو سرد کرنے کے لیے قاتل کو ان کے سامنے عاجز اور بے بس کردیا اور ان کو اختیار دے دیا کہ وہ قاتل کو قتل کریں یا معاف کریں، جب کہ دشمن کی بے بسی اور عجز کے مقابلہ میں اپنا تفوق اور برتر اور بااختیار ہونا انسان کے انتقامی جذبات کو فطری طور پر ختم کردیتا ہے۔(۲۳)

دوسری طرف اولیاءِ مقتول پر یہ پابندی لگا کر وہ صرف قاتل کی کارروائی کے برابر ہی اس کے خلاف کارروائی کرسکتے ہیں اس سے زائد کسی اور کے خلاف کچھ نہیں کرسکتے، قصاص کی اس خصوصیت نے قاتل فریق کے خوف کا علاج کردیا۔ کیونکہ صرف قاتل کو اس کی کارروائی کے

مطابق قتل کرنا عدل کا تقاضا ہے، جس کو تسلیم کرنا انسانی فطرت ہے اور اس تک وہ لاجواب اور غیر مشتعل ہے کیونکہ انتقام کا جذبہ ظلم اور تعدی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، جس کا یہاں شائبہ تک نہیں۔ لہٰذا عدل کی حد تک اس کارروائی نے قاتل فریق سے خوفِ انتقام کو ختم کرکے اس کو آئندہ کے لیے بے فکر کردیا۔

اور اسی طرح اگر اولیاءِ مقتول معاف کرنے کا فیصلہ کریں تو یہ ان کے جذبہ انتقام کے خاتمہ کا واضح ثبوت ہے کیونکہ انتقام اور احسان دو متضاد چیزیں ہیں جو بیک وقت جمع نہیں رہ سکتیں۔ جب کہ معافی نے دوسرے فریق کو ممنونِ احسان کرکے، اس کے خوف کو جارحیہ تشکر سے بدل دیا۔

غرضیکہ قانونِ قصاص نے احساسِ انتقام کا خاتمہ کرکے دونوں فریقوں کو مطمئن کردیا اور اس حادثۂ قتل کی بناء پر آئندہ کے لئے فتنہ اور فساد کا سدِ باب کردیا اور معاشرہ کو تحفظ عطا کردیا۔

جبکہ غیر اسلامی تمام قوانین اس فطری مرض کے فطری علاج سے عاری ہونے کی بناء پر فریقین میں قتل و غارت کے سبب کو باقی رکھتے ہیں جس سے معاشرہ کے امن کو خطرہ لاحق رہتا ہے۔

خالق فطرت نے ''ولکم فی القصاص حیوۃ'' فرما کر اس میں پانچ اعلانات فرمائے۔

۱۔ قتل سے محفوظ زندگی صرف قصاص میں ہے۔

۲۔ ہر قصاص میں جہت ہے۔

۳۔ قصاص کی بناء پر حاصل ہونے والی حیات نہایت معظم ہے۔

۴۔ قصاص کثیر جہات کا باعث ہے۔

۵۔ قصاص میں ایک خاص قسم کی حیات ہے۔

ان اعلانات کی ترتیب وار وضاحت یوں ہے:

پہلا اعلان:

پہلے اعلان میں حصر اور تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ فی القصاص حیوۃ میں ظرف مقدم ہے جس سے حصر اور تخصیص صفت بالموصوف حاصل ہوتی ہے جیسا کہ لا فیھا غول میں فرمایا گیا ہے کہ نشہ کا نہ ہونا صرف جنتی شراب کی خصوصیت ہے۔ باقی تمام شرابوں میں نشہ ہے (۲۴)۔ اسی طرح یہاں بھی خصوصیت کا اعلان فرمایا گیا کہ حیوۃ یعنی بقاءِ انسانیت صرف قصاص میں ہے۔ یعنی

حیات وبقاءِ انسانیت کا واحد راستہ قصاص کے نظام کا نفاذ ہے۔ اس کے بغیر کوئی طریقہ (قاتل کو پھانسی، قید، جرمانہ، معافی، اسلحہ کی تقسیم یا پہرہ سخت کرنا) قتل وغارت کو نہیں روک سکتا۔

یہی مفاد اس آیت سے یوں بھی حاصل ہوتا ہے کہ فی القصاص حیوۃ، میں فی القصاص کو حیات کے لیے ظرف قرار دیا گیا ہے۔ جب کہ ظرف محل ہوتا ہے اور مظروف حال ہوتا ہے یعنی جس طرح کوئی حال محل کے بغیر نہیں پایا جاسکتا اسی طرح انسانیت کی بقاء بھی نظام قصاص کے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتی۔

دوسرا اعلان:

دوسرا اعلان کہ ہر قصاص میں حیات ہے، یہ جامعیت القصاص کے الف لام استغراقی سے حاصل ہوتا ہے (۲۵)۔ ہر قصاص میں حیات اس لیے کہ قصاص اولیاءِ مقتول کا حق ہے۔ ان ہی کے فیصلہ پر قاتل کو قتل کیا گیا ہے وہ اسی لیے مطمئن ہوگئے اور قاتل کو مجرم ہونے کی حیثیت سے برحق قتل کیا گیا ہے۔ لہٰذا قاتل کے ورثاء کو بھی اعتراض کا حق نہیں اور قصاص کے نفاذ کے یقین پر، دیکھنے والے حضرات بھی پرامن رہیں گے۔ لہٰذا قصاص کا ہر فرد مفید ہوگا اور عوام میں تحفظ کے یقین کا موجب ہوگا اور کبھی بھی قصاص کی بناء پر فتنہ پیدا نہ ہوگا۔

تیسرا اعلان:

تیسرا اعلان یہ کہ قصاص میں عظیم حیات ہے کیونکہ حیوۃ کو نکرہ لایا گیا ہے اور تنکیر میں عظمت کا معنی پایا جاتا ہے۔ (۲۶) جیسے فقد کُذِّبَتْ رسلٌ میں رسل کی تنکیر سے عظمت کا معنی حاصل ہوتا ہے۔ تو معنی یہ ہوگا کہ قصاص میں عظیم الشان حیات ہے کیونکہ قصاص میں نہ صرف قتل کی روک تھام ہوگی بلکہ اس سے قاتل اور مقتول دونوں کے خاندانوں اور قبیلوں میں خوف انتقام ختم ہوجائے گا اور ایک دوسرے کے خلاف سازش میں مصروف رہنے کی بجائے بے خوف وخطر اور باہمی اعتماد سے اپنے اپنے کاروبار میں مصروف رہ کر اپنی مادی اور روحانی زندگی کو کامیاب بنائیں گے اور دنیا وآخرت دونوں زندگیوں میں بھلائی سے ہمکنار ہوں گے۔

چوتھا اعلان:

چوتھا اعلان یہ تھا کہ قصاص سے کثیر التعداد زندگیاں حاصل ہوں گی۔ کیونکہ "حیوۃ" کی تنکیر سے تکثیر کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے جیسے ان لہ لابلا وان لہ لغنما میں تنکیر تکثیر کے لیے ہے

(۲۷) اور معنی یہ ہے کہ اس کی بکریاں اور اونٹ کثیر تعداد میں ہیں، یہاں بھی اسی طرح تکثیر حاصل ہوگی اور وہ اس طرح کہ جب قاتل بننے والے نے قصاص کے خوف سے ارادۂ قتل ترک کردیا تو وہ قصاص میں قتل ہونے سے بچ گیا اور مقتول بننے والا بھی بچ گیا اور زندہ رہ گیا۔ اسی طرح ان دونوں کی عصبیت اور حمایت میں دو قبیلوں اور خاندانوں کی جنگ وقتال کا خطرہ بھی ٹل گیا جس سے اس جنگ میں ضائع ہونے والی بہت سی جانیں زندہ رہ گئیں جس طرح یہ تمام لوگ دنیاوی زندگی میں محفوظ رہے اسی طرح وہ لوگ قتل اور غارت گری سے محفوظ رہ کر اخروی زندگی میں بھی عذاب سے بچ گئے۔ اس طرح قانونِ قصاص میں زندگیوں کی کثرت پائی گئی۔

پانچواں اعلان:

پانچواں اعلان ہے کہ قصاص میں ایک خاص قسم کی حیات ہے۔ نوعیت کا یہ معنیٰ بھی "حیوۃ" کی تنکیر سے مستفاد ہے۔ کیونکہ تنکیر نوعیت کے بیان کے لیے بھی آتی ہے۔ جیسے "علی ابصارھم غشاوۃ" میں غشاوۃ کی تنکیر نوعیت کے لیے ہے۔ یعنی کفار کی آنکھوں پر ایک قسم کا پردہ ہے۔ (۲۸)

اس طرح یہاں بھی قصاص میں حیات سے انسانیت کی بقاء مراد ہے۔ یعنی ایجاد حیات نہیں بلکہ بقاءِ حیات مراد ہے اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کی ایجاد سے اس کی بقاء مقصود ہوتی ہے۔ ورنہ ایجاد بے مقصد قرار پاتی ہے۔ لہٰذا انسانیت کی تخلیق اور ایجاد کے مقابلے انسانیت کی بقاء زیادہ اہم ہے جب کہ انسانیت کی بقاء معاشرہ کی بقاء ہے تو آیت کا معنی یہ ہوا کہ قصاص میں معاشرہ کی بقاء ہے۔

گویا اس آیہ کریمہ "فی القصاص حیوۃ" میں پانچ طریقوں سے واضح کیا گیا کہ قانونِ قصاص انسانیت کی بقاء کا ضامن ہے۔ بلکہ حصر اور خصوصیت سے ثابت ہوا کہ قتل وغارت سے نجات کا ضامن صرف قانون قصاص ہے۔

لہٰذا مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مقابلہ میں خالق تعالیٰ کے قانونِ قصاص کی حقانیت اور افادیت پر یقین رکھیں اور اسی کو قتل عام کے سدباب کے لیے موثر جانتے ہوئے نافذ کریں تاکہ ملک وملت کو جلد از جلد غارت گری سے نجات مل سکے۔

عقلی طور پر "قصاص ہی انسانیت کی بقاء کا ضامن" قرار پاتا ہے۔

کیونکہ قتل کا سبب غیظ وغضب کی شدت ہوتی ہے۔ جبکہ غیظ وغضب انسان کے آگ والے عنصر کا مظہر ہے۔ اس آگ کی شدت کو ختم کرنے کے لیے برودت یعنی ٹھنڈک کی ضرورت ہے جب کہ خوف، برودت کا مظہر ہے کیونکہ خوف میں انسان کے خون پر جمود طاری ہو جاتا ہے جس کی بناء پر اعضاء پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔

لہٰذا قاتل کو قصاص سے باز رکھنے کے لیے خوف میں مبتلا کرنا ضروری ہے تاکہ اس خوف کی وجہ سے اس کا غیظ وغضب ٹھنڈا پڑ جائے اور یہ بات عقلی طور پر مسلم ہے کہ سب سے بڑا خطرہ اور خوف انسان کو اپنی جان کی فکر پر ہوتا ہے اور جان کی فکر قانون قصاص کے نفاذ کے یقین سے ہی پڑ سکتی ہے۔ لہٰذا جب قاتل کو ارادہ قتل کے وقت یہ یقین ہو جائے کہ مجھ پر قصاص کا قانون نافذ ہوگا تو وہ لازمی طور پر اپنی جان کی فکر میں مبتلا ہو کر سوچ کو تبدیل کر لے گا۔

فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ علم بلاغت کی روشنی میں

اس آیت کریمہ کو فنِ بلاغت میں خاص مقام حاصل ہے۔ وہ اس لیے کہ عربوں کے ہاں بھی یہ بات مسلم تھی کہ قتل کی روک تھام قتل کی سزا سے ہی ممکن ہے۔ اگرچہ وہ اس میں افراط وتفریط کا شکار تھے۔

وہ اس مفہوم کو ایک مختصر اور جامع کلام سے ادا کرتے تھے جس کو وہ فصاحت و بلاغت میں ضرب المثل قرار دیتے تھے۔ یہ مختصر اور جامع کلام " القتل انفی للقتل " تھا۔(۲۹)

مگر اس کے مقابلہ میں قرآن نے جو کلام استعمال کیا ہے وہ زیادہ فصیح و بلیغ ہے جس کو سن کر فصحاءِ عرب دنگ رہ گئے۔

فن بلاغت میں ان جملوں کا موازنہ کیا گیا ہے(۳۰)

اس موازنہ میں " القتل انفی للقتل " کے مقابلہ میں قرآنی جملہ " فی القصاص حیوۃٌ " میں دس خوبیاں پائی جاتی ہیں۔

ان میں سے پانچ خوبیاں معنوی اور پانچ لفظی ہیں۔

معنوی خوبیاں:

آپ پانچ اعلانات کی صورت میں سن چکے ہیں یعنی حصر وتخصیص، جامعیت، عظمتِ حیات کثرتِ حیات اور نوعیت حیات۔ جن پر قرآنی آیت مشتمل ہے جب کہ یہ معنوی خوبیاں "القتل

انفی للقتل" میں نہیں پائی جاتیں کیونکہ "القتل انفی للقتل" کے جملہ میں خبر مقدم نہیں کی گئی تاکہ حصر وتخصیص کا فائدہ حاصل ہو اور اس میں مسند الیہ نکرہ نہیں تاکہ اس سے تعظیم، تکثیر یا نوعیت کا فائدہ حاصل ہو سکے اور جامعیت اس لیے نہیں کہ "القتل انفی للقتل" میں قصاص کی بجائے قتل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جبکہ قتل بطور قصاص اور بطور ظلم بھی ہو سکتا ہے جب یہ بطورِ ظلم ہو تو پھر قتل کے لیے نافی ہونے کی بجائے داعی ہوتا ہے جبکہ لفظ قصاص میں داعی قتل ہونے کا احتمال قطعاً نہیں ہو سکتا کیونکہ قصاص کا معنی ہی یہ ہے کہ قاتل کو بدلہ میں مساوات اور مماثلت کے طور پر قتل کرنا۔

لفظی خوبیاں:

آیت میں لفظی پانچ خوبیاں جو ان کے کلام میں نہیں ہیں وہ یہ کہ "القتل انفی للقتل" کے مقابلہ میں "فی القصاص حیوۃ" میں جن الفاظ کا تلفظ ہے وہ گیارہ ہیں جبکہ القتل انفی للقتل کے الفاظ چودہ ہیں۔

دوسری خوبی یہ ہے کہ آیت قرآنی میں مطلوب کی صراحت ہے کیونکہ قصاص کا مقصد محض قتل نہیں بلکہ اس کا مقصد حیات اور بقاء ہے۔ جبکہ القتل انفی للقتل میں حیات کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں دفع قتل کا ذکر ہے حالانکہ آیت میں حیات صراحتاً مذکور ہے۔

تیسری خوبی یہ ہے کہ "فی القصاص حیوۃ" اپنے معنی مرادی کو ادا کرنے میں کامل ہے جس میں کوئی زائد لفظ بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے جبکہ "القتل انفی للقتل" میں "انفی" اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ جس کے لیے مفضل علیہ کی ضرورت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس معنی کو مکمل کرنے کے لیے مفضل علیہ پوشیدہ اور مقدر ماننا پڑے گا یعنی القتل انفی للقتل من غیرہ کہیں تو اس جملہ کا معنی مکمل ہوگا۔

چوتھی خوبی یہ ہے کہ قرآنی آیت میں کسی لفظ کا تکرار نہیں ہے جب کہ القتل انفی للقتل میں لفظ قتل کا تکرار ہے۔

پانچویں خوبی یہ ہے کہ آیہ کریمہ فن بدیع کے محسنات سے "مطابقت" پر مشتمل ہے جس سے کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے(۳۱)۔

مطابقت کسی کلام میں دو متضاد معانی کو جمع کرنے کو کہتے ہیں (۳۲) چنانچہ آیت میں

قصاص اور حیوۃ دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے اور یہ دونوں متضاد معانی ہیں، کیونکہ قصاص، مخصوص قتل کا نام ہے اور قتل کا معنی ازالہ حیات ہے۔ لہٰذا حیات اور ازالہ حیات کو آیت میں جمع کر دینے سے مطابقت پائی گئی ہے۔ جب کہ القتل انفی للقتل اس خوبی سے خالی ہے کیونکہ اس میں قتل کے مقابلہ میں قتل کو ذکر کیا گیا ہے۔

خالق کائنات کا ناحق قتل وغارت کو روکنے کے لیے قصاص کو قانون قرار دینا اور پھر اس قانون کو فصاحت وبلاغت کی انتہائی بلندیوں پر فائز کر کے زوردار انداز میں بیان فرمانا انسان کو دعوتِ فکر دیتا ہے کہ انسانی معاشرہ کے قیام اور اس کی بقاء اور تحفظ کا ضامن صرف قانونِ قصاص ہے۔ اس کامل اور ضامن قانون کو نظر انداز کر کے ناقص قوانین کو اختیار کرنا عقل ودانش کے خلاف ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ولکم فی القاص حیوۃٌ یا اولی الالباب فرما کر اہل عقل ودانش کو خطاب فرمایا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حوالہ جات

۱۔لباب التاویل المعروف تفسیر خازن، ج ۱، ص ۱۰۶ ۲۔احکام القرآن، جصاص، ج ۱، ص ۱۳۳۔

۳۔فتاویٰ قاضی خان، ج ۴، ص ۸۰۲ ۴۔فتاویٰ قاضی خان، ج ۴۔ ص ۷۹۸ ۵۔جامع الترمذی، ص ۳۱۹

۶۔قرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۳۳ ۷۔تفسیر قرطبی، جلد ۶، ص ۱۴۷

۸۔لباب التاویل (خازن) ج ۱، ص ۱۰۶ ۹۔ایضاً ۱۰۔ایضاً ۱۱۔احکام القرآن (جصاص)، ج ۱، ص ۱۵۹

۱۲۔ایضاً ۱۳۔تفسیر مظہری، ج ۱، ص ۱۷۷ ۱۴۔ایضاً ۱۵۔التشریع الجنائی (عبدالقادر عودہ) ج ۱، ص ۵۴۷

۱۶۔التشریع الجنائی (عبدالقادر عودہ) ج ۱، ص ۵۴۹ ۱۷۔التشریع الجنائی (عبدالقادر عودہ)، ج ۱، ص ۵۴۹، ۶۶۵ ۱۸۔قرآن، سورۃ بقرۃ، آیت ۱۷۸ ۱۹۔قرآن، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۲۳

۲۰۔قرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۴۵ ۲۱۔قرآن، سورۃ البقرۃ، آیت ۱۹۳ ۲۲۔سورۃ النحل، آیت ۱۲۶

۲۳۔التشریع الجنائی (عبدالقادر عودہ) ج ۱، ص ۵۴۹ ۲۴۔مختصر المعانی، علامہ تفتازانی، ص ۸۶ ۲۵۔ایضاً

۲۶۔ایضاً ۲۷۔ایضاً ۲۸۔ایضاً ۲۹۔تلخیص المفتاح، عبدالرحمن قزوینی، ص ۴۳ ۳۰۔ایضاً

۳۱۔ایضاً ۳۲۔دروس البلاغہ، ص ۱۳۱

☆☆☆.....☆☆☆.....☆☆☆

گستاخِ رسول واجب القتل ہے

شیخ الحدیث پیر ابوالنصر بابا جی منظور احمد شاہ مدظلہ،

بانی جامعہ فریدیہ ساہیوال

قیام امن کے پیش نظر براہِ راست تصادم سے بچنے کا حل یہ ہے کہ ایسے ملزم کو عدالت سزائے موت دے۔

عظمت نبوت

الوہیت کے بعد سب سے بڑا مقام نبوت کا ہے جس کا تقاضا ہے کہ اُسے تحفظ دیا جائے اور خود قرآن کریم نے مشرکوں کے قتل کا حکم دیا ہے۔ "واقتلوا المشرکین" اور "قاتلوا ائمۃ الکفر" کے ارشادات سے واضح ہے کہ ملت اسلامیہ کے فرزندوں کو توحید کے تحفظ کا حکم دیا گیا اور اس کے تحفظ کا طریقہ بھی بتا دیا گیا ہے۔ ایسے ہی ملت اسلامیہ کو رسالت ونبوت کی تقدیس قائم کرنے کا بھی حکم ہے اسلام نے کفر کو اجازت دی ہے کہ اپنے دائرہ میں رہ کر چلے مگر جونہی بغاوت اختیار کرے تو کچلنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسلام کسی کو جبراً مسلمان بنانے کا شوق نہیں رکھتا، نہ اس کا یہ دستور ہے بلکہ "لا اکراہ فی الدین" کے اعلان سے آزادی دیتا ہے لیکن اس آزادی کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص رسالت کے خلاف دریدہ دہنی کر لے تو اُسے کھلا چھوڑ دیا جائے اس لئے کہ رسالت کی توہین اور بے حرمتی اللہ کے دین بلکہ پوری امت کی بے حرمتی اور توہین ہے۔ لہٰذا اُمتی کا فرض ہے کہ جب اپنے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی سنے تو جان لے لے یا دے دے اور ہر دور میں عظمت رسالت کے پیش نظر ایسا ہوتا چلا آیا ہے ہاں ملک کے اندر قیام امن کے پیش نظر براہ راست تصادم سے بچنے کا حل یہی ہے کہ ایسے ملزم کو عدالت سزائے موت دے۔

شفاء شریف قاضی عیاض میں ہے، خلیفہ ہارون رشید نے جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے توہین رسالت کرنے والے کا حکم پوچھا تو آپ نے فرمایا: ما بقاء الامۃ بعد سبّ نبیھا۔ (اس اُمت کی کیا زندگی ہے جس کے نبی کو گالیاں دی گئیں۔

حضرت حافظ ابن تیمیہ کے دور میں ایک عیسائی نے حضور ﷺ کو گالی دی تو آپ نے اس

عنوان پر چھ سو صفحات پر کتاب الصارم المسلول لکھی جس میں دلائل سے ثابت کیا کہ گستاخ رسول کی سزا قتل ہے۔اس کتب کی مقبولیت سارے عالم اسلام میں ہے۔

یاد رہے کہ فتح مکہ کے بعد وہاں کے بدترین اخلاقی مجرموں کو بھی "لا تثریب علیکم الیوم" کی نوید سنادی گئی مگر ساتھ ہی ایک اچھی خاصی تعداد کے افراد کا خون مباح (جائز) قرار دے دیا گیا اور ان کی گرفتاری کا حکم دے دیا گیا انہیں کیوں نہ معاف کیا گیا؟ یہ بھی تو مکہ مکرمہ کے ہی مجرم تھے ان کے قتل کا سبب کفر کے ساتھ گستاخی رسول بھی تھا کہ جگہ جگہ توہین آمیز تقریر کرتے ہجو کے اشعار گاتے۔

جس قدر دین کی تقدیس اور معصومیت ہے اس سے کہیں زیادہ اُس کے لانے والے کی عظمت ہے کہ دین اسلام کے فروغ کا باعث ذات مصطفیٰ ﷺ ہی ہے۔ پہلے حضور ﷺ کی جلوہ گری اور پھر اسلام کا ظہور ہے۔ پہلا بہر حال پہلا ہی ہوتا ہے۔

کوہ صفا کا پہلا خطبہ بھی اس عنوان پر واضح حجت ہے آپ نے اہل مکہ سے پہلی بات جو فرمائی یہ تھی "ھل وجدتمونی صادقا او کاذبا" (مجھے تم نے سچا پایا یا جھوٹا؟) پہلے اپنی شخصیت صداقت اور امانت کا ذکر فرمایا پھر اسلام کی دعوت دی۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اسلام کے باغی (مرتد) کو قتل کیا جائے اور اسلام کے لانے والے محبوب ﷺ کے گستاخ کو چھوڑ دیا جائے گستاخ رسول کے قتل کا اسلامی فیصلہ دوہرا نہیں کہ صرف حضور ﷺ کے لئے یہ بات ہو اور کسی دوسرے نبی کے لئے ایسا نہ ہو بلکہ ہر رسول کی گستاخی کی سزا قتل ہی ہے ہاں خود رسول ﷺ کسی کو معاف کردے یہ الگ بات ہے کسی کو حق نہیں کہ وہ رسول ﷺ کے گستاخ کو معاف کردے۔ افراد، عدالتیں، سبھی کے سبھی اسی ضابطہ کے پابند ہیں۔

گستاخان رسول کا قتل دور نبوی ﷺ میں

۱.....عبداللہ ابن خطل کو غلاف کعبہ کے پیچھے سے نکال کر مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان قتل کردیا گیا (بخاری شریف ۱/۲۴۹.....۲/۶۱۴) یہ شخص حضور ﷺ کی ہجو میں تقریریں کرتا اور اشعار گاتا تھا۔

۲.....اسی مقدس مدنی دور میں گستاخ رسول کعب بن اشرف کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ (مسلم شریف ۲/۱۱۰) حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر مکمل سکوت رہا، اگر یہ قتل روح اسلام کے خلاف ہوتا، تو زبان رسالت اس پر خاموشی اختیار نہ کرتی۔

۳.....ابو رافع گستاخ رسول کو چند نوجوانوں نے قتل کیا۔

۴.....ایک گستاخ رسول کو ایک نوجوان نے قتل کیا۔ (مشکوٰۃ شریف ص: ۳۰۸)

۵.....عقبہ بن معیط کو اس کی گستاخیوں کے باعث ہی قتل کیا گیا جبکہ جنگ بدر کے باقی تمام قیدیوں کو فدیہ کے بعد رہا کردیا گیا۔

۶.....بشر نامی منافق گستاخ رسول کو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ (تفسیر خازن تفسیر کبیر، روح المعانی)

۷.....فرتنی اور قریبہ دونوں شاعرہ خواتین تھیں۔ حضور کی ہجو میں محفلیں سجاتیں اور اشعار گاتی تھیں، اسی گستاخی کے جرم میں ایک قتل کردی گئی اور دوسری نے حاضر ہوکر معذرت کی اور اسلام قبول کرلیا۔ (فتح الباری ۸/۹)

۸.....سارہ نامی خاتون بھی ہجو کرتی تھی، حاطب ابن ابی بلتعہ کا خفیہ خط لے کر مکہ جارہی تھی قتل کی گئی، گستاخ تھی، شاعرہ تھی۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج ۳)

۹.....حویرث بن نقید کو گستاخی کی بنا پر ہی قتل کیا گیا اسے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ (زرقانی ۳۱۵/۲.....فتح الباری ۸/۹)

۱۰.....قیس ابن صبابہ کو فتح مکہ کے بعد حضرت غیلہ ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

۱۱.....عبداللہ بن سعد کے قتل کا حکم دیا گیا۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے ان کی سفارش پر ان کی بیعت لی گئی اور معاف کردیا گیا۔

۱۲.....عکرمہ بن ابی جہل، ہبار بن اسود، وحشی بن حرب، کعب بن زہیر، عبداللہ بن زبعری، ہندہ بنت عتبہ ان سبھی کا خون مباح قرار دیا گیا تھا (قتل کا حکم دے دیا تھا) مگر یہ سبھی باری باری حاضر ہوکر معافی مانگ کر مسلمان ہوتے رہے۔

زبان نبوت کا فیصلہ

۱۳.....سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضور نے فرمایا "من سب نبیا قتل" (جس نے نبی کو گالی دی اُس کی سزا قتل ہے۔) (جامع صغیر علامہ سیوطی ۲/۱۷۳، فتح القدیر ۳/۱۹۴، شفا ۲/۲۱۲)

آئمہ کا متفقہ فیصلہ

۱۴.....محمد بن سحنون فرماتے ہیں: اجمع العلماء ان شاتم النبی ﷺ المتنقص له

کافر و حکمه عند الائمة القتل۔

(الشفاء ۲/۲۱۶، نسیم الریاض ۴/۳۳۸، الدر المختار ۳/۳۱۷)

محمد بن سحنون فرماتے ہیں علماء کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ حضور ﷺ کو گالی دینے والا کافر ہے اور اس کا حکم قتل ہے۔ چاروں ائمہ کرام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد، امام شافعی، سبھی اس فیصلہ پر متفق ہیں۔ (شامی ۳/۳۲۱)

۱۵.....امام ابوبکر بن منذر فرماتے ہیں اس پر علماء کا اجماع ہے کہ نبی کو گالی دینے والے کی سزا قتل ہے ان کے الفاظ یہ ہیں: قال ابوبکر بن المنذر اجمع عوام اهل العلم علی ان من سب النبی ﷺ یقتل (الشفاء ۲/۲۲۱)

۱۶.....من ابغض رسول الله ﷺ بقلبه کان مرتدا فالساب، بطریق اولیٰ یقتل حدّا عندنا۔ (فتح القدیر ۴/۴۰۷، فتاوی شامی ۳/۳۱۹)

آپ ﷺ کو گالی دینے والا مستحق قتل ہے

۱۷.....نبی ﷺ کے گستاخ اور گالی دینے والے کے مستحق قتل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

(فتاوی شامی ۳/۳۱۲)

۱۸.....ولا خلاف بین المسلمین ان من قصد النبی ﷺ بذالك فهو ممن ینتحل الاسلام انه مرتد یستحق القتل۔

(فتاوی قاضی خان ۴/۸۸۲، احکام القرآن جصاص ۳/۱۰۶)

کسی مسلمان کو اس میں اختلاف نہیں کہ جس کسی نے حضور ﷺ کی توہین کا قصد کیا وہ مستحق قتل ہے۔

خلاصہ تحریر

اس اہم ترین نازک مسئلہ پر لکھے گئے مضمون کے خلاصہ کو خلاصۃ الفتاوی کی عبارت پر ختم کرتا ہوں درج ذیل عبارت محیط کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔

من شتم النبی ﷺ اهانه او عابه فی امور دینه او فی شخصه او فی وصف من اوصاف ذاته سواء کان الشتم او الاهانة او العیب صادرا عنه عمدا او سهوا و غفلة ان تاب لم یقبل توبة ابدا وحکمه فی الشریعة القتل قطعا۔ مختصراً

(خلاصۃ الفتاوی ۴/۲۸۶، الشفاء ۲/۲۱۴)

ترجمہ: جس نے نبی کو گالی دی توہین کی عیب لگایا اس کے کسی دینی معاملہ میں ہو یا کسی ذاتی مسئلہ میں وہ گالی دینے والا نبی کی امت سے ہو یا کوئی اور اہل کتاب ہو، ذمی کافر ہو یا حربی یا گالی اُس نے بھول کر دی ہو یا قصداً یا غفلت سے اس کا حکم قتل ہی ہے اُس کی توبہ بھی قبول نہیں۔

۲۰.....حضور ﷺ کو گالی دینا ارتداد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔

۲۱.....اجمعت الامة علی قتل منقصه وسابه۔ (شفاء ۲/۲۲۱)

ترجمہ: حضور ﷺ کو گالی دینے اور نقائص بتانے والا واجب القتل ہے۔

۲۲.....اجمع عوام اهل العلم ای کلهم علی من سب النبی ﷺ یقتل۔

ترجمہ: تمام اہل علم اس پر متفق ہیں حضور ﷺ کو گالی دینے والا قتل کر دیا جائے۔

۲۳.....حضور علیہ السلام کی توہین صریحاً یا اشارۃً ایسے تمام الفاظ گالی میں شمار ہوتے ہیں: والحکم فیه حکم الساب یقتل۔ اس میں فیصلہ یہی ہے ایسا شخص قتل کر دیا جائے۔

(الصارم المسلول ص: ۲۵۲، الشفاء ۲/۲۱۴)

ایسے شخص کی توبہ بھی قبول نہیں۔ ائمہ مجتہدین کا یہی نظریہ ہے کہ جو بھی توہین رسالت کا مرتکب ہوا اُسے قتل کر دیا جائے کہ اس جرم کی حد ہی یہی ہے کسی بھی حد والے مجرم کی توبہ اس کی حد ہی ہے، امام بزازی ابن ہمام علامہ ابن زین، علامہ عمر بن نجیم، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ، علامہ خیر الدین رملی شیخ زادہ محمد بن علی خصکفی رحمۃ اللہ علیہم نے بھی یہی نظریہ پیش کیا ہے۔

☆☆☆.....☆☆☆.....☆☆☆

﴿توجہ فرمائیں﴾

ہم اپنے تمام مضامین نگار حضرات سے ملتمس ہیں کہ براہِ کرم اپنے مضامین انگریزی ماہ کی 10 تاریخ تک دفتر مجلہ النظامیہ کو ارسال فرما دیا کریں تاکہ بروقت اشاعت ممکن ہو سکے۔ آپ اپنے مضامین بذریعہ ای میل بھی بھیج سکتے ہیں۔ ای میل اڈریس درج ذیل ہے۔

m_ ikram_butt@yahoo.com

.....منجانب: ادارہ مجلہ النظامیہ، لاہور/شیخوپورہ.....

اسقاطِ حمل جائز ہے یا ناجائز

شیخ الحدیث مفتی محمد اشرف القادری، ناظم اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ گجرات

جناب مفتی صاحب مندرجہ ذیل سوالات کا جواب شریعت مطہرہ کی روشنی میں عنایت فرمائیں:

کیا دوسرے اور چوتھے مہینے میں اسقاط حمل جائز ہے؟ جبکہ دوسرے مہینے میں بچے کے دل کی دھڑکن نظر آجاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں بدنامی سے بچنے کے لیے ایسا کرنا قتل ہے۔ بعض کہتے ہیں اگلا بچہ چھوٹا ہو تو اسقاط حمل جائز ہے۔ اگر یہ قتل ہے تو ایسا کرنے والے پر کیا حکم ہے؟ بعض عورتوں کو حمل کے دوران شدید خون جاری ہو جاتا ہے، اگر حمل ضائع نہ کیا جائے تو ماں کی جان کو خطرہ ہوتا ہے لہذا اُس وقت جائز ہے۔ بعض کہتے ہیں تین ماہ کے اندر کرا لیا جائے تو کوئی گناہ نہیں

برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں جدید تحقیق سے ان مسائل کی وضاحت فرمائیں۔

السائل: ڈاکٹر چوہدری محمد انور، سرجیکل ہسپتال، فتح پور

الجواب: بِعَوْنِ الْعَلَّامِ الْمُنْعَامِ الْوَهَّابِ

نطفہ یا حمل جو کہ اولاد کا سبب ہے اسے بلا عذرِ شرعی صرف تنگدستی کے خوف سے گرا دینا گناہ کبیرہ اور حرام ہے خواہ حمل میں جان پڑ چکی ہو یا نہ ایسا کرنے والے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا"

ترجمہ: اپنی اولاد کو تنگدستی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم انہیں روزی دیں گے اور تمہیں بھی یقیناً ان کا قتل بڑی خطا ہے۔

البتہ کسی عذرِ شرعی مثلاً عورت کی جان کو شدید خطرہ ہو یا عورت کی گود میں دودھ پیتا بچہ ہو حمل کی وجہ سے دودھ خشک ہو جائیگا، بچے کا باپ مالی کمزوری کی وجہ سے بچے کی پرورش کا متبادل انتظام نہیں کر سکتا۔ بایں وجہ زیرِ پرورش بچے کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو حمل میں روح پڑنے سے پہلے پہلے اسے گرانا جائز ہے روح پڑنے کے بعد جائز نہیں اور نہ ہی بدنامی سے بچنے کے لیے۔

حمل کے دوسرے مہینہ اگر واقعی دل کی دھڑکن شروع ہو جاتی ہے تو اس کا سبب روح کے علاوہ کوئی اور ہوگا کیونکہ حمل میں روح ایک سو بیس دن مکمل ہونے پر پھونکی جاتی ہے۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يُجْمَعُ خَلْقُ اَحَدِكُمْ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكًا بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهٗ وَاَجَلَهٗ وَرِزْقَهٗ وَشَقِيٌّ اَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يَنْفُخُ فِيْهِ الرُّوْحَ (۱)

ترجمہ: تمہارا مادہ تخلیق ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ کی حالت میں محفوظ رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت (چالیس دن) تک جمے ہوئے خون کی حالت میں رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت (چالیس دن) تک لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے پھر اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو چار چیزوں کے لیے بھیجتا ہے تو فرشتہ اس کا عمل لکھتا ہے اس کی موت لکھتا ہے اس کا رزق لکھتا ہے اور لکھتا ہے کہ وہ شقی ہوگا یا سعید پھر اس میں روح پھونکتا ہے۔

مسلم شریف میں بھی حضرت عبداللہ بن مسعود سے ہی مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ جو کہ صادق اور مصدوق ہیں نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهٗ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ يَكُوْنُ فِيْ ذَالِكَ عَلَقَةً مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ فِيْ ذَالِكَ مُضْغَةً مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ الْمَلَكَ فَيَنْفُخُ فِيْهِ الرُّوْحَ (۲)

ترجمہ: بے شک تم میں سے ہر کسی کا مادۂ تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن محفوظ رکھا جاتا ہے پھر اس میں وہ (علقہ) یعنی جما ہوا خون بن جاتا ہے اتنی ہی مدت پھر وہ "مضغہ" یعنی لوتھڑا بن جاتا ہے اتنی ہی مدت، پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے تو وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔

امام ابن عابدین الشامی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

"وَيُكْرَهُ اَنْ تُسْقِيَ اَسْقَاطِ الْحَمْلِ وَجَازَ لِعُذْرٍ كَلُمْرْضِعَةٍ اِذَا ظَهَرَ بِهَا الْحَمْلُ وَانْقَطَعَ لَبَنُهَا وَلَيْسَ لِاَبِي الصَّبِيِّ مَا يَسْتَاجِرُ بِهِ الظِّئْرَ وَيَخَافُ هِلَاكَ الْوَلَدِ قَالُوْا يُبَاحُ لَهَا اَنْ تُعَالِجَ فِيْ اِسْتِنْزَالِ الدَّمِ مَادَامَ الْحَمْلُ مُضْغَةً اَوْ عَلَقَةً لَمْ يَخْلُقْ لَهٗ عُضْوٌ وَقَدَّرُوْا تِلْكَ الْمُدَّةَ بِمِائَةٍ وَعِشْرِيْنَ يَوْمًا (۳)

ترجمہ: ''حمل کو گرانے کے لئے حاملہ کو دوائی استعمال کرانا مکروہ (تحریمی) ہے ہاں کسی عذر شرعی کی وجہ سے جائز ہے جیسے دودھ پلانے والی عورت کا جب حمل ظاہر ہو اور حمل کی وجہ سے اس کا دودھ خشک ہو جائے اور بچہ کا باپ اجرت پر دودھ پلانے والی عورت کا بندوبست نہیں کرسکتا بایں وجہ بچہ کی ہلاکت کا اندیشہ ہے فقہاءِ کرام نے اس عذر کی وجہ سے مباح (جائز) قرار دیا ہے کہ ایسی حاملہ عورت کہ جس کا حمل تو لوتھڑا یا جمے ہوئے خون کی صورت میں ہو اور اس کا کوئی عضو نہ بنا ہو حمل کو گرا دینے کے دوائی استعمال کرے فقہاءِ کرام نے اس کی مدت ایک سو بیس دن مقرر فرمائی ہے۔

لہٰذا مدتِ حمل ایک سو بیس دن مکمل ہونے سے پہلے پہلے کسی عذر شرعی کی وجہ سے حمل کو ساقط کرنا جائز اور بلا عذر مکروہ اور اس کے بعد کسی صورت جائز نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم و رسولہ الاکرم و ﷺ و آلہ و صحبہ و بارك وسلم۔

☆☆☆.....☆☆☆.....☆☆☆

﴿بقیہ..... شادی بیاہ کی غیر شرعی رسومات﴾

مدد کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ ان کاموں کے لئے بالکل صدقہ وزکوٰۃ نہ دیں میری تمام مسلمان بھائیو اور بہنوں سے گذارش ہے کہ ان بے ہودہ ناجائز رسموں کو چھوڑ کر اللہ کے بندے بن جاؤ اسلام کو بدنام نہ کرو اپنا پیسہ اور آخرت دونوں کو بچاؤ، یاد رکھو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (''بے شک تمہارا مال اور اولاد فتنہ ہے''۔)

اے نوجوان مسلم! محافظ ہے تو عورت کا
عزت کا شرافت کا اور اپنے دین کی غیرت کا

نہ کر غفلت تو ہو بیدار بڑا وقت کڑا ہے
صلاح زن کا ذمہ تیرے ہی کاندھوں پہ پڑا ہے

تو حیدر بن ایوبی بن یا پھر مرد مجاہد بن
تیری عزت سرِ بازار ہے کر ہوش نہ غافل بن

اسلام بمقابلہ عیسائیت

علامہ سعید محمد عامر آسوی حسینی نقشبندی

عیسائیت:

مدعیان مسیحیت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال وافعال اور سیرت طیبہ کے احوال ''عیسائیت'' کی اساس ہیں۔ چنانچہ ''دی امریکن پیپلز انسائیکلوپیڈیا (جلد ۵، ۱۹۶۰) شکاگو میں درج ہے کہ!

Christianity:The religion founded by jesus of Nazareth in the first century AD and centring in life, mission and message.

عیسائیت وہ مذہب ہے جس کی بنیاد پہلی صدی میں مسیح ناصری نے رکھی اور جس کا محور ان کی زندگی، مقصد، حیات اور پیغام ہے۔

لیکن ان مدعیان مسیحیت کے پاس حضرت مسیح علیہ السلام کی کوئی ایسی سیرت موجود نہیں جو عیسائیت کے معنی کے صحیح ہونے کیلئے کافی ہو۔ اسی لئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ ''یسوع مسیح'' (jesus cherst) میں لکھا ہے:

Any attempt to write a "Life of jesus " should be frankly abandoned. The material for it certainly does not exist. It has been calculated taht the total number of days in his life regarding which we have any record does not exceed 50.

درست بات یہ کہ حیات مسیح پر لکھنے کی کوشش ترک کردی جائے۔ یقیناً اس کے لئے مواد موجود نہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہمارے پاس ان کی حیات (مقدسہ) کے پچاس (۵۰) دنوں سے زیادہ کے متعلق ریکارڈ موجود نہیں۔

ماضی قریب میں مشہور مبلغ ڈین انجی (Dean Inge) نے بھی اعتراف کیا ہے کہ

"No real biography of jesus can ever be written"

مسیح کی کوئی حقیقی سوانح عمری کبھی نہیں لکھی جاسکتی۔

(christian Ethics and Modern Problems ,London.1930)

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ جدید عیسائیت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرتِ مقدسہ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ بھلا جس قوم کے پاس اپنے مذہبی پیشوا کی زندگی کے ۵۰ دنوں سے زیادہ کا ریکارڈ ہی موجود نہیں اور جو ان کی حقیقی تعلیمات کو محفوظ ہی نہیں رکھ سکی وہ ان کی غلامی اور ان کے نقوش پر چلنے کا دعویٰ کیسے کر سکتی ہے۔

اسلام

اسلام کے معنیٰ ہیں "زمین پر سر رکھنا" اور ولادت کے قانون عام کے مطابق انسان جب پیدا ہوتا ہے تو وہ سر کے بل پیدا ہوتا ہے۔ گویا زبان حال سے اعلان کرتا ہے کہ میں اسلام پر پیدا ہوا ہوں۔ اسی لئے حضور نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ:

کل مولود یولد علی الفطرۃ۔ (ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔)

لہذا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اسلام انسان کا پیدائشی دین ہے۔ پھر اسلام کے ہر حکم کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں دین اسلام کے احکامات قرآن حکیم کی شکل میں عطا فرمائے، ساتھ ہی ان کی تشریح و توضیح کے لئے اپنے پیارے نبی علیہ السلام کو بھی مبعوث فرمایا۔ اور حضور ﷺ نے اسلام کے ہر حکم کو عمل کے سانچے میں ڈھال کر کچھ ایسے حسین انداز میں پیش فرمایا کہ پھر کوئی ابہام، ابہام اور کوئی اشکال، اشکال نہ رہا۔ لہذا یہ کہنا عین حقیقت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افعال و فرمودات کا نام اسلام ہے۔ اور ہر مسلمان دین اسلام کے احکامات کی بہترین سمجھ بوجھ کے لئے سیرت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔

عیسائیت کے برعکس جہاں جناب عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقی تعلیمات سے آشنائی ناممکن ہے بانی اسلام ﷺ کی سیرتِ اقدس کا ہر ورق اجلا، ہر نقش زریں اور ہر پہلو روشن نظر آتا ہے۔ اور حضور ﷺ کے ماننے والوں نے آپ ﷺ کی ایک ایک ادا کو کچھ اس حسن اہتمام سے اپنے حافظوں اور کتابوں میں محفوظ کیا ہے کہ بڑے بڑے مغربی مفکر اور مستشرقین ورطۂ حیرت کا شکار ہیں کہ کیا کسی ہستی کی زندگی کے مختلف اور باریک گوشوں کو اتنی خوبصورتی سے آئندہ نسلوں کی تعمیر سیرت کے لئے محفوظ کیا جا سکتا ہے۔

آج ہمارے پاس احادیث کا وسیع و مستند ذخیرہ ہے جس کی روشنی میں ہم حضور علیہ السلام کی تعلیمات و احکامات اور سیرت و کردار پر کھل کر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ اور ان احادیث کی صحت

اور جانچ پرکھ کے لئے اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن معرض وجود میں آیا ہے جس کی نظیر دنیا میں کسی قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ جرمنی کے مشہور ڈاکٹر اسپرنگر رقم طراز ہیں کہ!

نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری ہے نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جن کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم ہو۔

اس علم کی بدولت آج احادیث کا قابل قدر اور بااعتماد ذخیرہ حضور علیہ السلام کی سیرت و تعلیمات کے سلسلے میں موجود ہے۔

اسلام اور عیسائیت میں ایک بڑا فرق

اسلام اور عیسائیت میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ عیسائیت میں بنی نوع انسان کے لئے نہ کوئی علمی نظریہ ہے نہ عملی پروگرام۔ حیات انسانی کے کسی شعبے کے لئے بھی اس نے کوئی ضابطہ پیش نہیں کیا ہے۔ یاد رہے کہ دور حاضر کی عیسائیت کا اصل بانی پولس ہے۔ یعنی آج جن عقائد و نظریات کی بنیادوں پر مسیحیت قائم ہے ان کا جناب عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات یا ان کے حواریوں کے نظریات سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ یہ پولیس کے عطا کردہ ہیں۔ چنانچہ ممتاز مؤرخین فلائڈ راس (Floyd Ross) اور مسز ہلز (Mrs.Hills) لکھتے ہیں:

Of all the people associated with the beginnings of chrestianity, paul was the most responsible for the turn its beliefs took. He added a new note that determined its future course.

ان سب لوگوں میں جن سے عیسائیت کی ابتداء وابستہ ہے۔ پولس اس تبدیلی کے لئے سب سے زیادہ ذمہ دار تھا جو اس کے عقائد میں آئی۔ اس نے (ان عقائد میں) ایک نئی طرح ڈال جس نے اس کے (عیسائیت کے) مستقبل کی راہیں متعین کیں۔

(Floyd .H.Ross and Tynette Hills, p.137)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مروجہ عیسائیت کے بانی پولس نے خود یہ نظریات کہاں سے لئے؟ اس کا جواب زیورچ یونیورسٹی کے فاضل عیسائی پروفیسر آرنلڈ میئر (Arnold Meyer) کی زبانی سنئے۔

"As one asks: whence did St. paul derive his teaching ? The simplest answer would seem to be : By tradition from jesus through the instrumentality of the original apostles.

But the answer given by St. paul himself is quite different: I received my Gospel not from men, but by a revelation of jesus Christ."

اگر کوئی سوال کرے کہ پولس نے جو تعلیم دی اسے اس نے کہاں سے اخذ کیا؟ تو اس کا سیدھا سادا جواب تو یہ ہونا چاہیے تھا ان روایات سے جو اسے اصل حواریوں کے ذریعہ پہنچی تھیں۔ مگر جو جواب خود پولس نے دیا ہے، وہ بالکل مختلف ہے۔ (وہ کہتا ہے کہ) میں نے اپنی انجیل انسانوں سے نہیں بلکہ یسوع مسیح کے مکاشفہ سے حاصل کی ہے۔

(ARNOLD MEYER: JESUS OR PAUL)

پولس خود بھی اس حقیقت کا اعتراف یوں کرتا ہے! "اے بھائیو! میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ جو خوشخبری میں نے سنائی وہ انسانوں کی سی نہیں۔ کیونکہ وہ انسان کی طرف سے نہیں پہنچی اور نہ مجھے سکھائی گئی، بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا۔

انجیل، گلتیوں کے نام پولس کا خط

گویا جدید عیسائیت دارصل "پولس کے مکاشفات" پر مشتمل ہے۔ پولس کے ان مکاشفات کی صحت کیا ہے، یہ تو کوئی اہل نظر ہی بتا سکتا ہے لیکن ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ دین کی بنیاد مکاشفات یا خوابوں پر نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ آسمانی کتابوں یا صحیفوں اور انبیاء ورسل کی تعلیمات وتشریحات پر رکھی جاتی ہے۔ اس اصول کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مروجہ عیسائیت کی کوئی بنیاد سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس لئے کہ نہ تو ان کے پاس کسی آسمانی کتاب کا حرف بحرف نسخہ ہے اور نہ اپنے کسی نبی کی سیرت کی کوئی مصدقہ دستاویز۔ اس کے مقابلے میں اسلام نے قرآن میں توحید ورسالت، جزا وسزا، جنت ودوزخ، حرام وحلال، اوامر ونواہی حتی کہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق مکمل ہدایات پیش کی ہیں اور ان کی بہترین تشریح وتفصیل کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ ﷺ کے فرمودات کھلی کتاب کی مانند ہمارے سامنے موجود ہیں۔ قرآن وہ کتاب ہے کہ کرہ پر بسنے والا کوئی انسان اس میں تحریف ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ قرآن اتارنے والا کائنات کا خالق ومالک ہے اور اس نے اعلان کررکھا ہے کہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون"۔

(ترجمہ: ہم نے ہی اس قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمائیں گے۔)

پھر ہر دور میں لاکھوں مسلمانوں نے حفظ قرآن کا اہتمام کیا ہے۔ جہاں کسی نے کوئی زیر،

زبر، شد، مد، غلط پڑھی، بیسیوں لوگوں نے اسے ٹوک دیا کہ یوں نہیں، یوں ہے۔ چنانچہ ایف ایف آربلتھ ناٹ اس بات کا اقرار یوں کرتا ہے:

and that this has remained the sa me, without any change and alteration __(The construction of the Bible and Quran)

یہ کہ قرآن بالکل اصلی حالت میں رہا ہے۔ اس میں آج تک کوئی جیالا، مترجم یا محرف کسی قسم کی تبدیلی یا ترمیم نہیں کرسکا۔ افسوس یہ ہے کہ عہد نامہ جدید وقدیم کی سب کتابوں (بلکہ کسی ایک کتاب) کے بارے میں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔

یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ بائبل (BIBLE) ماننے والے خود آگاہ ہیں کہ بائبل کی جمع وتدوین کی پوری تاریخ ردّوبدل، حذف واضافہ اور تحریف وترمیم کی تاریخ ہے۔ کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار برطانوی مصنف مسٹر لیکی، اسٹراس (سیرت مسیح ۱۸۳۵ء) برونو بائیز (۱۸۷۸ء) ڈاکٹر رابن سن، فلپ ویوین، برمن یونیورسٹی کے پروفیسر ہارنک (waht is christianity) نے کیا۔ نیویارک ٹائمز کی ایک خبر کے مطابق امریکہ میں پریسبائٹرین (presbytarian) کلیسا کی ایک نمایاں برانچ نے اعلان کیا کہ "یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ بائبل غلطیوں سے پاک ہے"۔

ٹائم میگزین، ۱۹۶۹ء کی ایک رپورٹ کے مطابق ۹۵ فیصد عیسائی علماء اور عوام کا یقین ہے کہ بائبل تحریف شدہ ہے۔ جرمنی کے ایک رسالہ "دی اسپگل" نے بڑے بڑے پروفیسروں کے حوالہ سے نیز کوپن ہیگن (ڈنمارک) کے چرچ آف رائل ڈاک یارڈ کا ڈین نے بھی کم وبیش یہی کہا۔

عیسائیت کے بنیادی نظریات

عیسائیت کے دو بنیادی نظریات ہیں۔

(۱) نظریہ تثلیث (trinity) (۲) کفارہ کا نظریہ (Atonement)

(۱) نظریہ تثلیث (trinity)۔ عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (persons) سے مرکب ہے یہ تین اقانیم کون ہیں جن کا مجموعہ ان کے نزدیک خدا ہے۔ ان کی تعیین میں ان کا اختلاف ہے۔ بعض باپ بیٹے اور روح القدس کو اور بعض باپ، بیٹا اور "کنواری مریم" کو تین اقانیم قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب ان سے سوال کیا جائے کہ ان تین میں سے ہر ایک کی انفرادی

حیثیت کیا ہے؟ خدا سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ تو بھانت بھانت کی بولیاں سننے میں ملتی ہیں۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک بذات خود بھی مجموعہ خدا جیسا ہے دوسرے گروہ کے مطابق تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ خدا تو ہیں لیکن مجموعہ خدا (Trinity) سے کمتر ہے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا ہی نہیں، خدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے۔ ان سب کا کسی ایک طرز فکر یا عقیدہ پر یکجا نہ ہونا ہی ان کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔ ہمارے قرآن نے ان باطل نظریات کا روان الفاظ میں کیا ہے۔

لقد کفر الذین قالوا انّ اللہ ثالث ثلاثۃ۔ (پ: ۶/ع: ۱۴)

ترجمہ: بے شک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں اللہ تین خداؤں میں سے تیسرا ہے۔

لقد کفر الذین قالوا انّ اللہ ھو المسیح ابن مریم (پ: ۶/ع: ۷)

ترجمہ: بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔

عیسائیت میں خدا کا جو ایک کمزور تصور دیا گیا ہے اس کے برعکس اسلام نے حقیقی اللہ کی شان وعظمت یوں بیان فرمائی:

انما اللہ الہ واحد ط سبحنہ ان یکون لہ ولد (النساء ع: ۳)

ترجمہ: اللہ تو ایک ہی خدا ہے۔ پاکی اسے اس سے کہ اس کے کوئی بچہ ہو۔

قل ھو اللہ احد ○ اللہ الصمد ○ لم یلد ولم یولد ○ ولم یکن لہ کفوا احد ○

اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی۔

یہ ہے خدا کا وہ حقیقی اور جاندار تصور جو قرآن نے دیا ہے جبکہ پوری عیسائیت اور اس کی ذریت اس سے خالی ہے۔

۲.....نظریہ کفارہ (Atonement)۔ مسٹر ڈینیل ولسن کے مطابق یہ نظریہ عیسائی مذہب کی جان۔ ہے اور فی نفسہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (vol.5) میں درج ہے:

"The doctrine of salvaion hasTaken the most prominent place in the echristian faith:so prominent,Indeed,taht to a large portionof bilievers it has been the supreme doctrine,and the doctrine of the deity of jesus has been

valued only because of its necessity on the offect of atonement."

ترجمہ: نجات کے نظریہ کو عیسائی عقیدہ میں نمایاں ترین جگہ حاصل ہے اتنی نمایاں کہ اکثر عیسائی ایمانداروں کے نزدیک یہ عیسائیت کا اعلیٰ ترین نظریہ ہے۔ حتی کہ یسوع کے خدا ہونے کے نظریہ کی اہمیت بھی اس لئے ہے کہ کفارہ کو مؤثر بنانے کے لئے اس کا ماننا ضروری ہے۔

اس عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھانسی کے ذریعے مزعومہ موت اور پھر جی اٹھنے سے انسان کی نجات کی صورت پیدا ہوئی اور اس کا ازلی گناہ (Original Sin) معاف ہوا۔ یہ ازلی گناہ کیا تھا؟ جس کی پاداش میں ساری نسل انسانی مجرم بنی ہوئی تھی۔ اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ عیسائی جناب آدم وحوا علیہما السلام اور ان کی نسل کے ہر فرد کو گنہگار مانتے ہیں یہاں تک کہ نبیوں اور رسولوں سے متعلق بھی ان کا اعتقاد یہی ہے کہ یہ گناہوں سے پاک نہ تھے ان کا یہ عقیدہ ہے کہ سب سے پہلا گناہ (جناب) حوا علیہا السلام نے کیا پھر (جناب) آدم علیہ السلام کو اس درخت سے کھانے کی طرف راغب کیا جس کے قریب جانے سے خدا نے روکا تھا۔ تو آدم وحوا علیہما السلام کے اس گناہ سے تمام نسل انسانی گنہگار ہوگئی۔ جس کی وجہ سے مستحق سزا ٹھہری۔ اب ان کی نجات کے لئے ایک ایسی ہستی کی ضرورت تھی جو خود گنہگار نہ ہو۔ اور جناب عیسیٰ علیہ السلام وہ ہستی تھے۔ کیونکہ یہ "ابن اللہ" ہیں۔ باقی آدم وحوا (علیہما السلام) کے بیٹے ہیں۔ اب خدا نے ان سے کہا: "اے پیارے بیٹے مسیح! میں تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ تیرے سر پر رکھ کر صرف تجھی کو سزا دوں گا۔ تو صلیب پر چڑھ جا اور تین دن تک (معاذ اللہ) لعنت کی موت مردہ رہ کر گنہگاروں کے گناہوں کا کفارہ کردے تاکہ بنی نوع انسان کی نجات ہوجائے۔" چنانچہ پولس لکھتا ہے: "مسیح نے اپنے آپ کو سب کے فدیہ میں دیا۔" (تیمتھیس ۲/۶)

یہ تو تھا وہ مختصر واقعہ جس کی بنیاد پر پولس نے نظریہ کفارہ کی بنیاد رکھی۔ اگر اس کو تفصیل سے پڑھیں تو اس میں بے شمار تضادات نظر آئیں گے اور ایسے سوالات جنم لیتے ہیں جن کا جواب آج تک عیسائی برادری سے نہیں بن سکا۔ یہاں اتنا بیان کردینا کافی ہے کہ اگر علمائے عیسائیت کے نزدیک جناب مسیح علیہ السلام کا مصلوب ہونا تمام بنی آدم کا کفارہ ہے تو پھر تو سب کی نجات ہوگی۔ اب کیا ضرورت ہے عیسائیت قبول کرنے کی۔ کوئی عیسائی ہو یا یہودی، ہندو ہو یا مسلمان جب سب کے گناہوں کا کفارہ ہوگیا تو عیسائیت کی بھی ضرورت نہ رہی۔ تو کیوں علمائے عیسائیت اپنے

مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔ کیوں فری ڈسپنسریوں سکولوں، کالجوں اور رفاہ عامہ کے کاموں کی آڑ میں مسیحیت کا پرچار کررہے ہیں۔

پوری عیسائیت بالخصوص نظریہ کفارہ کا تفصیلی مطالعہ کرکے دیکھ لیں یہی معلوم ہوگا کہ یہ خدا کی شریعت کے باغی اور مجرم ذہنوں کا وضع کردہ ہے۔ جو دراصل تصور سزا ختم کرکے ہر طرح کے گناہوں اور جرائم سے اپنا دامن آلودہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے تئیں وہ سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے کے مجاز ہیں۔ اور جب سب ان نظریات کے حامل ہوجائیں گے تو اسے گویا ''آئینی حیثیت'' مل جائے گی۔ جب سزا و جزا کا تصور ختم ہوگیا تو کھلی چھٹی مل گئی۔ قتل کرو، زنا کرو، چوری کرو، حرام خوری کرو کسی طرح کی کوئی قدغن نہیں۔ یہاں ہم یہ نکتہ اٹھانے میں بھی حق بجانب ہیں کہ کفارہ کے اعتقاد کے بعد ان کے پاس اپنے ملکوں میں جرائم کی سزاؤں کے قوانین وضع کرنے کا کیا جواز ہے؟ کیا یہ عیسائیت کے ساتھ مذاق نہیں؟ ایک طرف تو کہتے ہیں کہ کفارہ ادا ہوچکا تو پھر جرائم کی روک تھام کے لئے قوانین وضع کرنا پولیس فورس تشکیل دینا اور عدلیہ کا نظام رائج کرنا چہ معنی دارد۔

اسلام اس نظریہ کو یکسر مسترد کرتا ہے اور دوٹوک اور واضح مؤقف بیان کرتا ہے:

ولا تزر وازرة وزر اخری۔(سورۃ فاطر آیت:۱۸)

ترجمہ: کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔

نیز فرمایا:

لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت ۔(بقرہ:۲۸۶)

ترجمہ: اس کا فائدہ ہے جو اچھا کمایا اور اس کا نقصان ہے جو برائی کمائی۔

گناہ بنی آدم نے کیا تو جناب مسیح علیہ السلام گناہگار کیوں اور کیوں کسی کی سزا بھگتیں۔ گناہ کوئی کرے اور وبال کسی پر ہو یہ تو عدل وانصاف اور فکر وعقل کے تقاضوں کے خلاف ہے کوئی معقول اور باشعور دماغ اس نظریہ کا حامل نہیں ہوسکتا۔ خود بائبل میں ایک جگہ اس کے خلاف بات کہی گئی ہے:

بیٹوں کے بدلے باپ دادا نہ مارے جائیں اور نہ باپ دادا کے بدلے بیٹے مارے جائیں بلکہ ہر آدمی اپنے ہی گناہ کے لئے مارا جائے۔

یہ سوال بھی بڑی شدومد کے ساتھ ذہن میں ابھرتا ہے کہ کیا خدا قادر مطلق نہیں ہے؟ ہے اور یقیناً ہے تو پھر وہ ''بیٹے کی قربانی'' اور فدیہ کے بغیر اسے معاف نہیں کرسکتا تھا۔ اسی تناظر میں

دیکھیں تو سمجھ آجائے گی کہ خدا سے متعلق ان کا اعتقاد ویقین کتنا منفی اور کمزور ہے۔ ان کی نظر میں خدا کس قدر مجبور تھا (معاذ اللہ) کہ بغیر جناب عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کئے وہ کسی کو بخش نہ سکتا تھا۔ پھر کفارہ پر مبنی انسان کی فلاح ونجات کے اس مزعومہ ''خدا کے منصوبے'' کا ایک اور مضحکہ خیز اور لغو پہلو یہ بھی ہے کہ مسیح جو اس کے مرکزی کردار ہیں وہ (ان کے نظریے کے مطابق) نہ تو اس کی ضرورت واہمیت سے باخبر ہیں نہ دل وجان سے اس میں شریک۔ چنانچہ انجیل کہتی ہے:

وہ غمگین اور بے قرار ہونے لگے اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کرنے لگے کہ اے میرے باپ اگر ہوسکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔ (متی) اگر وہ اس خدائی منصوبے میں شریک تھے تو پریشان ہونے اور یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ ''یہ پیالہ مجھ سے ٹال دے''۔

نیز اس مذہب کے پیشوا یہ ثابت کرنے میں بھی ناکام رہے ہیں کہ جناب مسیح علیہ السلام صلیب دیئے گئے تھے۔ اس بارے میں یہ متفق نہیں ہیں اسی طرح ان کے صلیب دیئے جانے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی بات کسی ٹھوس دلیل کے بغیر کرگئے ہیں۔ جیسا کہ محققین نے اعتراف کیا:

(An) event which,however,no eye saw.

البتہ (جی اٹھنے) کا یہ واقعہ کسی آنکھ نے نہیں دیکھا۔

(Adolf Harnack: History of Dogma, London,1961)

اور آخری بات یہ کہ اس میں بھی اناجیل کا اختلاف ہے کہ جی اٹھنے کے بعد وہ کہاں گئے۔ یہ ساری بحث تفصیل طلب تھی جسے ہم نے مختصر ترین شکل میں پیش کیا اور جو نتیجہ اس بحث سے برآمد ہوا وہ یہ ہے کہ بقول ہیوشون فیلڈ (Dr.Hugh Schonfield)

"Christianity today is about as far from the teaching of jesus as from those of Hinduism."

آج کی عیسائیت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے اتنی دور ہے جتنی کہ وہ ہندومت کی تعلیمات سے دور ہے۔

(The Daily, "Today "London,March 28, 1986)

نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ جدید عیسائیت کا ہر عقیدہ ونظریہ سراسر انسانی تفکرات وتوہمات اور مکاشفات پر مبنی اور خدائی ونبوی تعلیمات سے دور ہے جبکہ اسلام اپنی اصل ترین شکل پر قائم تحریف وتبدل سے پاک اور خدا (جل جلالہ) ورسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف سے عطا کردہ عقائد ونظریات اور تعلیمات پر مبنی سچا دین ہے۔

شادی بیاہ کے مواقع پر غیر شرعی رسومات

ڈاکٹر فوزیہ فیاض، پرنسپل جامعۃ النور، لاہور

شادی بیاہ کے موقع پر فحاشی، عریانی اور خلاف شریعت ایسی رسومات جو اسلامی معاشرہ کی اقدار اور اخلاق کا جنازہ نکال دیتی ہیں ان کے متعلق شرعی احکامات کیا ہیں؟ آیئے دیکھتے ہیں۔

جو امور خلاف شریعت شادی بیاہ میں شامل ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) ڈھولک بجانا۔ (۲) دولہا کو مہندی لگانا۔ (۳) مووی بنانا۔ (۴) فضول خرچی۔ (۵) ناچ گانا۔ (۶) لڑکوں اور لڑکیوں کا اختلاط۔

اب معاشرتی نقطہ نظر اور شرعی حیثیت سے مندرجہ بالا امور پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

ڈھولک بجانا:

اسلامی ممالک خصوصاً ہمارے ملک میں یہ نحوست بھی رواج پا گئی ہے کہ ڈھولک بجائے بغیر شادی مکمل نہیں ہوتی، بعض جاہل عورتیں تو یہاں تک کہہ دیتی ہیں کہ ''شادی تاں سجدی جے نچے منڈے دی ماں''۔

جیسے ہی نکاح کی تاریخ مقرر ہوتی ہے روزانہ ڈھولک بجانا گویا ہمارا معاشرتی فرض بن جاتا ہے شرعی نقطہ نظر سے آلات موسیقی کے متعلق حکم ملاحظہ فرمایئے!

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک چرواہے کی بانسری کی آواز کو سنا تو اپنی انگلیوں کو کانوں میں ڈال لیا پھر راستے سے ہٹ گئے اور مسلسل فرماتے رہے اے نافع کیا تم بانسری کی آواز سن رہے ہو حتی کہ انہوں نے عرض کیا، نہیں پھر انہوں نے انگلیاں کانوں سے نکال لیں، اور فرمایا میں نے حضور اکرم ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آلات موسیقی کا سننا ممنوع ہے اور نبی کریم ﷺ کو ناپسند بھی ہے۔

دولہا کو مہندی لگانا:

ہمارے معاشرہ میں رسم حنا (تیل مہندی) کے موقعہ پر دولہا کے ہاتھوں پر بھی مہندی لگائی

جاتی ہے اور باقاعدہ ایک فنکشن ہوتا ہے جس میں تمام خواتین جن میں نامحرم عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں دولہا کے ہاتھ پر باری باری مہندی لگاتی ہیں اور ایک زیور (گانا) بھی اس کے ہاتھ پر باندھتی ہیں اور یہ ہندوانہ رسم ہے جسے راکھی باندھنا کہتے ہیں۔ یاد رکھیں! (مرد حضرات سر کے بالوں پر مہندی (سرخ) لگا سکتے ہیں مگر شریعت نے مرد کو ہاتھ اور پاؤں پر زینت کے لئے مہندی لگانے کی اجازت نہیں دی) اور نامحرم عورتوں کا دولہا کو چھونا بھی حرام ہے اور کسی بھی زیور کا استعمال مرد کو مکروہ ہے سوائے چاندی کی ایک انگوٹھی کے جس کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہو۔ شادی کے موقع پر سونے کی انگوٹھی بھی اب دولہا کے لئے پہننا لازمی سمجھی جاتی ہے جو بالکل خلاف شرع ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (مردوں کو) سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔ (مسلم شریف)

مووی بنانا:

شادی کے موقعہ پر تصویریں بنانا ور مووی بنانا گویا فرض اولین سمجھا جاتا ہے، کتنی حیرت کی بات ہے کہ لوگ خود ایک غیر محرم کو بلاتے ہیں کہ جو گھر آ کر ان کی بچی سنوری بیٹیوں، بہنوں اور ماؤں کا ہر ہر زاویے سے، ہر ہر پوز اپنے کیمرے میں محفوظ کرتا ہے، یہاں تک کہ دولہن جو اس روز فقط اپنے دولہا کے لئے بجتی سنورتی ہے اسے بھی دولہا بعد میں دیکھتا ہے مووی بنانے والے ہر نظارے سے پہلے ہی لطف اندوز ہو جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جو لوگ تصویریں بناتے ہیں انہیں قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا اب ان کو زندہ کرو۔ (مسلم شریف)

اس میں کاغذی تصویر، مجسمہ سازی، کیمرہ کا عکس سب شامل ہیں۔

فضول خرچی:

قارئین! مایوں، تیل مہندی، آتش بازی، مووی وغیرہ جیسی ناجائز رسموں پر جو پیسہ خرچ ہوتا ہے وہ کس کھاتے میں جاتا ہے ہم کتنے بے وقوف لوگ ہیں کہ پہلے تو اپنے خون پسینے کی حلال کمائی کو حرام کاموں میں اُجاڑ کر خوش ہوتے ہیں کہ معاشرہ میں واہ واہ ہو گئی اور پھر ان حرام رسموں میں پیسہ خرچ کر کے جو گناہ کماتے ہیں اس کا بوجھ بھی اپنی قبروں پر ڈال لیتے ہیں۔

قرآن پاک میں ہے "فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں"۔

ایک فضول خرچی دوسرا گناہوں کا بوجھ، یہ دو گھاٹے کے سودے ہم ان بیہودہ اور ناجائز رسموں کے ادا کرنے میں کرتے ہیں۔

ناچ گانا

شادی بیاہ کے موقعہ پر تیل مہندی جیسی رسم میں بدترین قباحت ہماری مسلمان بچیوں کا سج سنور کر مہندی کے تھال ہاتھوں میں اٹھائے دولہا یا دولہن کے گھر ناچتے، رقص کرتے اور ڈھولک بجاتے ہوئے جانا ہے اور بعض اوقات تو بازاروں میں سے بھی گزرا جاتا ہے اور اب تو میوزیکل گروپ بھی یعنی ناچنے گانے والوں کو باقاعدہ بلایا جاتا ہے۔ شرعی حیثیت سے گانا بجانا کیسا ہے ملاحظہ فرمایئے: حدیث شریف میں ہے کہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے گانے والی لونڈی اس کی بیچ اس کی قیمت اور اس کی تعلیم کو حرام قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے شیطان نے نوحہ کیا اور اسی نے گایا۔ (مجمع الزوائد)

قارئین محترم! گانے بجانے اور نوحہ کرنے کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ دونوں حرام ہیں اور ابلیس کی ایجاد ہیں:

اللہ تعالیٰ نے عورت کو نہ صرف ستر (چھپانے کی چیز) بنایا ہے بلکہ اس کی آواز کو بھی ستر بنایا ہے حتی کہ عورت اذان بھی نہیں دے سکتی اور جہاں تک بن سنور کر بے پردہ گھر سے نکلنے کا تعلق ہے تو ارشاد باری تعالیٰ ہے: اپنا پاؤں زور سے زمین پر مت مارو کہیں تمہارا پوشیدہ زیور ظاہر نہ ہو جائے۔ (سورہ النور:۳۱)

جب اللہ تعالیٰ کو عورت کے زیور کی آواز کا اظہار بھی پسند نہیں تو پھر خود عورت کا غیر مردوں کے سامنے بن ٹھن کر جانا، گانا اور رقص کرنا کس قدر ناپسند ہوگا۔ جب عورت اپنے گھر میں اپنے رب کے حضور حالت نماز میں کھڑی ہوتی ہے تو حکم ہے کہ چہرہ، دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کے سوا سب کچھ چھپا ہو، مقام غور ہے کہ رب کریم کے حضور حاضری کا طریقہ تو یہ ہے کہ سب کچھ چھپا

ہو، نہایت عاجزی سے نظر زمین پر ٹکی ہو اور خشوع وخضوع کا اظہار ہو جبکہ شادی بیاہ پر نامحرموں کے سامنے عورتوں کا سج سنور کر بے پردگی کا مظاہرہ اور پھر ناچنا گانا یہ کون سے اسلام کے ماننے والوں کا طریقہ ہے۔

لڑکے اور لڑکیوں کا اختلاط:

شادی کے موقع پر معاشرے کی بنائی گئی تمام رسمیں مایوں، مہندی، بارات، ولیمہ، مقلاوہ وغیرہ میں عورتوں اور مردوں کا اختلاط ہوتا ہے۔ ان تمام رسموں میں سے صرف دعوت ولیمہ اور نکاح "سنت" ہے۔ باقی مایوں، مہندی، مقلاوہ وغیرہ یا تو غیر مسلموں کی عادات ہیں یا جہالت کی وجہ سے بنائی گئیں ابلیسی رسمیں ہیں اور شیطان کے بہکاوے ہیں کہ خوشی کا موقع ہے کیا خوشی کے موقعہ پر ہم پر شرعی احکامات لاگو نہیں ہوتے؟

مقام فکر:

قارئین کرام! اسلام سچا اور آسان دین ہے لیکن اسلام کے ماننے والوں نے اسلام سے جہالت اور کم علمی کے باعث اسے پیچیدہ بنالیا ہے، اکثر یہ بات سننے میں آتی ہے کہ فلاں کی بچیاں غربت کے باعث بیٹھی بیٹھی بوڑھی ہو رہی ہیں شادی کے لئے رقم نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح ایک عبادت اور سنت ہے اور اس کے لئے ایجاب وقبول اور گواہ ضروری ہیں، کس نے کہا ہے کہ نکاح سے پہلے مایوں اور تیل مہندی کے نام پر ہزاروں روپیہ بھی خرچ کیا جائے (جو اکثر غریب لوگ قرض لے کر کرتے ہیں) اور بے حیائی اور فحاشی کا بھی انتظام کیا جائے۔ یا نکاح کے موقع پر ہزاروں لوگوں کو جمع کیا جائے بارات کے ساتھ ڈھول اور بینڈ بجانے والوں کو، موٹی بنانے والوں کو بلایا جائے اور دولہا کو بھی سنوری قیمتی گاڑی یا بگھی میں لے جایا جائے۔ حیرت کی بات ہے کہ دولہا کون سا جہاد کا میدان فتح کرنے جا رہا ہے ایک سنت اور عبادت کی ادائیگی پر لاکھوں کی فضول خرچی کہاں کی عقل مندی ہے؟ کیا انبیائے کرام، اولیاء کرام کے نکاح نہیں ہوئے کیا صحابہ کرام علیہم الرضوان نے شادیاں نہیں کیں؟ ایسی خلاف شریعت خرافات ہمیں دور نبوی ﷺ اور دور خلفائے راشدین یا تابعین کے دور میں نہیں ملتیں۔

اللہ رب العزت نے تو مرد کو ہی کفیل بنایا ہے۔ غور کریں۔ بیٹی پیدا ہوتے وقت سے ہی باپ کی پرورش میں ہے، شادی ہو تو مہر، نان نفقہ، رہائش سب شوہر کی ذمہ داری ہے، اور ماں بن کر بھی

اولاد کا خرچہ، کھانا پینا عورت کے ذمہ نہیں (یہاں تک کہ اولاد کی طرف سے صدقہ فطر بھی ماں پر لازم نہیں ہے۔) اسلام نے بیٹی کی ذمہ داری کا بوجھ والدین پر صرف اس کا نکاح کر دینے تک ڈالا ہے (سنت کے مطابق) بقایا ساری ذمہ داری کسی نہ کسی طرح مرد یعنی شوہر پر ہی رکھی ہے والدین کی ذمہ داری صرف تربیت تک محدود ہے۔ اب اگر والدین نے بیٹی کی شادی پر فضول اور غیر شرعی رسموں کو ضروری سمجھ لیا تو اس میں کس کا قصور ہے؟ ان کی اپنی جہالت ہے اسلام کا حکم نہیں ہے۔

ان غیر شرعی رسموں کو ادا کرنے میں سارا قصور صرف عورتوں کا نہیں بلکہ مردوں کا بھی ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے: الرجال قوامون علی النساء "مرد عورتوں کے محافظ ہیں"

(بعض لوگ اس سے مراد حاکم لیتے ہیں لیکن مصباح اللغات میں "قوام" سے مراد "نگرانی کرنے والا" ہے۔) اللہ تعالیٰ نے "مرد و زن" دونوں کی ذمہ داریاں جدا جدا رکھی ہیں اگر ان میں سے کوئی دوسرے کی ذمہ داری ادا کرنے میں غفلت کا مظاہرہ کرے تو بگاڑ لازم ہے۔ عورتوں کی بدقسمتی یہ ہے کہ زیادہ تر خواتین تعلیم حاصل نہیں کر پاتیں اور اگر کچھ عورتیں تعلیم حاصل کر لیں تو وہ رسمی ہوتی ہے دینی تعلیم نہیں ہوتی۔ یہ رسمیں مایوں، تیل مہندی، مقلاوہ وغیرہ اور بارات میں گانے باجے دعوت ولیمہ میں ناچ گانے کی محفلیں، یہ سب غیر شرعی امور ہیں لیکن ان کا انتظام کروانے والی زیادہ تر خواتین اور کرنے والے ہمارے مرد حضرات ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے بیرونی امور اور نگہداشت کی ذمہ داری مرد پر ڈال دی ہے تو وہ مرد کیوں اس سے غافل ہیں، قطرہ قطرہ پسینہ بہا کر جو کمائی وہ عورت کے ہاتھ پر رکھتا ہے۔ پھر کیسے اس کمائی کو یوں فضول خرچیوں کی نظر ہوتا دیکھتا ہے۔ جب اس کی بیوی، بیٹیاں بہنیں بن سنور کر غیر مردوں کے ساتھ تیل مہندی جیسی رسم میں مل کر ناچتی گاتی ہیں یا بے پردہ ان کے ساتھ باہر نکلتی ہیں تو ان کی غیرت کیوں نہیں جاگتی۔ کسی نے سچ کہا ہے! "بے پردہ عورت بے حیا باپ، بے حیا شوہر اور بے حیا بھائی کی علامت ہے۔

مرد حضرات اپنی ذمہ داری سے غفلت کیوں برتتے ہیں مرد اگر شوہر ہے تو بیوی کو کنٹرول میں رکھے۔ باپ ہے تو بیٹی کو کنٹرول میں رکھے، بھائی ہے تو بہنوں کو کنٹرول میں رکھے۔ مرد شادی بیاہ جیسے معاملات کو محض یہ کہہ کر کہ "یہ عورتوں کے کام ہیں"۔ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

حدیث پاک میں ہے: تم میں سے ہر ایک کو اپنی رعایا (زیر تربیت) کے متعلق جواب دینا ہے۔

کیا ہم مرد عورتوں کے سامنے اتنے بے بس ہو جاتے ہیں کہ اپنی عزت و شرافت کا جنازہ نکلتا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور خود غیر مردوں کو دعوت دے کر اپنی شادیوں میں بلاتے ہیں پھر اپنی بیوی بیٹیوں اور بہنوں کو سجا سنوار کر ایک جگہ جمع کرتے ہیں پھر اس بے غیرتی کو فنکشن کا نام دے دیتے ہیں۔ قیامت کی نشانیوں میں گھر گھر ناچ گانا ہونا اور مرد کا بیوی کو قبلہ بنانا بھی شامل ہے۔

قارئین کرام! میں عورتوں پر تنقید یا مردوں کی مذمت نہیں کرنا چاہتی صرف اور صرف جو غفلت ہم اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں برت رہے ہیں اس کا احساس دلانا چاہتی ہوں۔

اگر نکاح جیسی سنت رسم میں سے ان فضول رسموں کو نکال دیا جائے تو کیا نکاح کرنا آسان نہیں ہو جائے گا پھر کسی کی بیٹی سر میں چاندی سجائے بوڑھی تو نہیں ہو جائے گی کیا معاشرہ سے ان تمام برائیوں کا جو شادی بیاہ کے موقع پر جنم لیتی ہیں خاتمہ نہیں ہو جائے گا۔ ہم کیسے مسلمان ہیں جب ہم پر کوئی غم کا پہاڑ ٹوٹ جائے کوئی قریبی عزیز فوت ہو جائے تو ہمیں خدا، قرآن خوانی، محفل میلاد یاد آ جاتے ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ ہم پر کرم فرما ہو اور ہمیں خوشی عنایت فرمائے کسی بچے کی شادی ہو تو ہم ابلیس کے بندے بن جاتے ہیں اور ہر وہ کام کرتے ہیں جس سے شیطان خوش ہو جائے۔ ہم تکلیفوں میں خدا کو یاد کرتے ہیں تو خوشیوں میں کس کو یاد کرتے ہیں؟ شیطان کو یاد کرتے ہیں حالانکہ خوشیوں میں بھی خدا کو یاد رکھنا چاہیے۔ کیا ہمارے مسلمان بھائی اب بھی ہوش کے ناخن لیں گے یا یونہی ہماری عزتوں کے جنازے ہر شادی والے گھر سے نکلتے رہیں گے۔ کیا ہمارے مسلمان بھائی اپنے خون پسینے کی کمائی یونہی ضائع ہوتے حرام کاموں میں لگاتے رہیں گے، کیا وہ اپنے گھر میں ہر غیر شرعی حرام کاموں کو ہوتا دیکھ کر خاموش ہی رہیں گے یا کوئی بارش کا پہلا قطرہ بن کر فیصلہ کرے گا کہ "آئندہ ہم یہ غیر شرعی حرام کاموں کو سختی سے بند کریں گے"

کیا ہی اچھا ہو کہ ہم نکاح سادگی سے کریں جو روپیہ پیسہ غیر شرعی اور حرام کاموں میں خرچ ہوتا ہے وہ دولہا اور دلہن کو کسی تحفہ کی صورت میں یا پلاٹ وغیرہ کی صورت میں دے دیا جائے جو مستقبل میں ان کے کام بھی آئے یا رقم یا عمرہ وغیرہ کا ٹکٹ دے دیا جائے کاش ہم یہ غلط کام چھوڑ دیں اور غیر شرعی اور ناجائز کاموں کے لئے اور معاشرے میں اپنی ناک بچانے کے لئے قرضے لینا، زکوٰۃ لینا اور دوسروں سے مانگنا چھوڑ کر جتنی چادر ہے اتنے پاؤں پھیلائیں لوگ اکثر صدقہ زکوٰۃ لے کر ان حرام کاموں کا انتظام کرتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر 30 پر ملاحظہ فرمائیں)

دارالافتاء.....

آپ کے دینی مسائل اور اُن کا حل

مجیب: مفتی محمد رمضان سیالوی، خطیب داتا دربار لاہور

سوال.....بعض حضرات ایصال ثواب کرتے وقت بخشنے کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں "ان کلمات وطعام کا ثواب نبی کریم ﷺ کو بخشتا ہوں" ایسا کہنا درست ہے یا نہیں۔؟ (قاری محمد افضل، لاہور)

جواب.....بخشنا ہمیشہ بڑے کی طرف سے چھوٹے کو ہوتا ہے اور کسی بھی چیز کا ثواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشنا بے ادبی ہے چنانچہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ "حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی اور نبی یا ولی کو ثواب بخشنا، کہنا بے ادبی ہے۔ بخشنا بڑے کی طرف سے چھوٹے کو ہوتا ہے، بلکہ نذر کرنا یا ہدیہ کرنا کہے۔ (فتاوی رضویہ ۲۶/۶۰۹)

سوال.....بیعت بذریعہ خط وکتابت ممکن ہے یا نہیں اگر ہے تو اس کی صورت کیا ہوگی۔؟
(حامد علی، گوجرانوالہ)

جواب.....بیعت کی شرائط میں سے مرید کی طرف سے بنیادی شرط یہ ہے کہ "طالب کی طرف سے ارادت ہو" اور ارادت فعل قلب ہے، جس کا اظہار کئی طرح سے ممکن ہے جن میں سے ایک طریقہ قلم کے ذریعہ اظہار ہے لہذا بذریعہ خط وکتابت بیعت ممکن ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ طالب مرشد کو بذریعہ خط انہیں طلب ارادت کی اطلاع اور قبولیت کی درخواست کرے اگر شیخ قبول کرکے اس کی اطلاع طالب کو دے دیں تو یہ شخص مرید ہوگیا۔ اس کی تائید فتاوی رضویہ جلد ۲۶ صفحہ ۵۶۷ پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اس ارشاد سے ہے "بیعت بذریعہ خط وکتابت ممکن ہے، یہ اسے درخواست لکھے وہ قبول کرے اور اپنے قبول کی اس درخواست دہندہ کو اطلاع دے اور اس کے نام کا شجرہ بھی بھیج دے، مرید ہوگیا، کہ اصل ارادت فعل قلب ہے۔ "والقلم احد اللسانین" قلم دو زبانوں میں سے ایک زبان ہے۔

سوال.....میں اپنے ایک بیٹے کو اس کی غلط حرکات کی وجہ سے اپنی جائداد سے عاق کرنا چاہتا ہوں براہ کرم عاق کی شرعی حیثیت واضح فرمائیں۔؟ (ڈاکٹر امجد علی، کراچی)

جواب.....شریعت میں عاق یعنی اولاد کو اپنی جائیداد سے محروم کرنے کا کوئی تصور نہیں ہے اور اس کے لئے اولاد کا خدمت گزار وموٴدب ہونا کوئی شرط نہیں ہے، والدین کی ناراضگی سخت محرومی کا سبب ہے لیکن اس کی وجہ سے اولاد ترکہ سے محروم نہ ہوگی، ہم اس کی تفصیل کے لئے اس

سے قریب ترین ایک سوال کا جواب جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے منقول ہے درج کرتے ہیں "بے علموں کے ذہن میں یہ ہے کہ جس طرح عورت کا علاقہ زوجیت قطع کرنے کے لئے شرع مطہر نے طلاق رکھی ہے کہ اس کا اختیار بدست شوہر ہے اور اس کے لئے کچھ الفاظ ہیں کہ جب شوہر سے صادر ہوں طلاق واقع ہو یوں ہی اولاد کا علاقہ ولدیت قطع کرنے کے لئے عاق کرنا بھی کوئی شرعی چیز ہے جس کا اختیار بدست والدین ہے اور اس کے لئے بھی کچھ الفاظ مقرر ہیں کہ والدین ان کا استعمال کریں تو اولاد عاق ہوکر ترکہ سے محروم ہوجائے مگر یہ محض تراشیدہ خیال ہے جس کی اصل شرع مطہر میں اصلاً نہیں، نہ علاقہ ولدیت وہ چیز ہے کہ کسی کے قطع کئے منقطع ہوسکے مگر معاذ اللہ بحالت ارتداد۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ (اگر اولاد مرتد ہوجائے تو ترکہ سے محروم ہوجائے گی اللہ تعالیٰ کی پناہ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ فرمائے).....آگے چل کر مزید فرمایا کسی مخالف شرع بات میں ان کا کہنا نہ مانے اور وہ اس سبب سے ناخوش ہوں تو ہرگز عاق نہیں، اگر کوئی شخص لاکھ بار اپنے فرمانبردار خواہ نافرمان بیٹے کو کہے کہ میں نے تجھے عاق کیا یا اپنے ترکہ سے محروم کردیا تو نہ اس کا یہ کہنا کوئی نیا اثر پیدا کرسکتا ہے نہ وہ بدیں وجہ ترکہ سے محروم ہوسکے۔ (فتاوی رضویہ ۲۶/۸۵)

سوال.....حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے بارے یہ روایت ہے کہ آپ مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے تھے، اس روایت کی اصل کیا ہے۔؟ (مولانا محمد اسلم، شیخوپورہ)

جواب.....درست ہے، روایت کچھ اس طرح ہے، کان مالك رضی الله عنه لا یرکب بالمدینة دابة، کان یقول استحی من الله تعالیٰ ان اطأ تربة فیها رسول الله ﷺ بحافر دابة، یعنی امام مالک رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے اور فرماتے تھے مجھے شرم آتی ہے خدائے تعالیٰ سے کہ جس زمین میں رسول اقدس ﷺ جلوہ فرما ہوں اسے جانور کے سُم سے روندوں، اور اس روایت کا حوالہ یہ ہے۔

(الشفاء، القسم الثانی، الباب الثالث فصل ومن توقیرہ، ۲/۸۴)

سوال.....حنفی فقہ میں امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سجدۂ سہو واجب ہیں اور موجودہ فقہ مبارک میں یہی مختار مذہب ہے لیکن امام صاحب امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ اس پر سوال یہ ہے کہ راجح مختار مذہب میں امام اعظم کے مطابق فتوی کیوں نہیں اسی پر مزید یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر امام صاحب ابوحنیفہ کے نزدیک سجدۂ سہو سنت ہے تو پھر سہو واقع ہونے کی صورت میں نماز سجدۂ سہو کے بغیر بھی ادا ہوجانی چاہئے، مہربانی فرما کر اس بارے میں فرمائیں

کہ مسئلے کا صحیح حل کیا ہونا چاہیے۔؟ (محمد اجمل، لاہور)

جواب.....امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک سجدہ سہو واجب ہے اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ امام ناصر الدین ابوقاسم محمد بن یوسف سمرقندی فرماتے ہیں۔

"الحسن عن ابی حنیفة انه زاد فی القعدة الاولیٰ علی قولنا عبده ورسوله فعلیه سهو"۔

حسن ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے قعدہ اولی میں "عبدہ ورسولہ" پر زیادتی کی تو اُن پر سجدہ سہو واجب ہو گیا۔" (الملتقط فی الفتاوی الحنفیة ص ۳۵)

اسی طرح الامام الحافظ المجتہد الربانی ابوعبداللہ محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قلت : وکل من وجب علیه سجدة السهو یسجد هما بعد التسلیم ویتشهد فیهما ویسلم ؟قال نعم"

محمد بن حسن شیبانی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جس پر دو سجدے واجب ہوں کیا وہ اسلام کے بعد دو سجدے کر کے پھر دوبارہ تشہد پڑھ کر سلام پھیرے گا تو امام صاحب نے ارشاد فرمایا ہاں۔ (المبسوط ۱/۲۲۵)

پس واضح ہو گیا کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک بھی سجدہ سہو واجب ہے جو سنت ہونے کا قول امام صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ احناف کی کسی مستند کتاب کا حوالہ دیں۔

☆☆☆.....☆☆☆.....☆☆☆

﴿بیان مت کرو﴾

☆.....بے تحقیق بات

☆.....خود غرض کے سامنے اپنی مصیبت

☆.....کسی کے سامنے اپنی بے حیائی کے قصے

☆.....کمزور کے سامنے اس کی کمزوری

☆.....بیوی کے سامنے غیر عورت کی تعریف

☆.....اپنی زبان سے اپنی خوبیاں (مراسلہ: محمد اسلام، لاہور)

جامعہ نظامیہ رضویہ

کی خدمات پر ایک نظر

- جامعہ نظامیہ رضویہ رئیس المحدثین امام الاتقیاء حضرت مفتی اعظم مفتی محمد عبدالقیوم مدظلہ العالی کی ہمیشہ رہنے والی بے مثال یادگار ہے۔
- جامعہ ہذا عرصہ 56 سال سے دینی وملی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔
- جامعہ ہذا سے اب تک ہزاروں علماء، قراء اور حفاظ فارغ ہو چکے ہیں۔
- بلجیم، برطانیہ، امریکہ، دوبئی، جرمنی اور ساؤتھ افریقہ میں جامعہ کے بے شمار فضلاء خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔
- جامعہ ہذا نے لاہور کے علاوہ شیخوپورہ، ایبٹ آباد و دیگر شہروں میں بھی دینی تعلیم کے تقریباً 80 مکاتب قائم کیے ہیں۔
- جامعہ ہذا کے زیر اہتمام تقریباً 7000 ہزار طلبہ وطالبات کے قیام وطعام کتب، علاج معالجہ اور دیگر جملہ ضروریات کا انتظام وانصرام جامعہ کی طرف سے مفت کیا جاتا ہے۔
- جامعہ ہذا میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے علوم اسلامیہ کی ابتداء سے لے کر اعلیٰ درجات تک معیاری تعلیم دی جاتی ہے۔ جبکہ حالات حاضرہ کے تحت جدید علوم ریاضی، انگلش، سائنس، کمپیوٹر وغیرہ میٹرک تک تعلیم کا بھی خصوصی انتظام ہے۔
- جامعہ ہذا میں 300 سے زائد مدرسین وعلماء کرام تعلیم دے رہے ہیں۔
- جامعہ ہذا کے دارالافتاء سے مسلمانوں کی دینی مسائل میں راہنمائی کی جاتی ہے۔
- جامعہ ہذا کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فقط اپنے اہل خیر بندوں کے ذریعے دین کا یہ عظیم الشان کام لے رہا ہے۔
- جامعہ کی مالی حالت..... بوجہ مستقل ضروری اخراجات اور تعمیر کے..... اہل خیر کی خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔

نوٹ

جامعہ کے منتظمین، اساتذہ اور معاونین ان مفید اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لئے شب وروز سرگرم عمل ہیں۔ جامعہ کا سالانہ میزانیہ 2,50,000,00 (اڑھائی کروڑ) سے متجاوز ہے۔
آپ اپنی گوناگوں مصروفیات سے وقت نکال کر جامعہ کی ضروریات سے مزید آگاہی کے لئے خود تشریف لائیے یا پھر گھر بیٹھے جامعہ کی ویب سائٹ کا وزٹ کیجئے

www.jamianizamiarizvia.com

Account Number of Jamia Nizamia Rizvia
0177-3461-0, 0177/4500-1
MCB Shah Allam Market Lahore